5087
GIFT

ناگپور کا مسلم معاشرہ

گونڈ اور بھوسلہ عہد میں

(۱۷۰۰ء سے ۱۸۵۴ء تک)

عطیہ
منجانب: ڈاکٹر پروفیسر علیم اللہ حالی
اے گورنمنٹ اردو لائبریری پٹنہ

ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحلؔ

گورنمنٹ اردو لائبریری پٹنہ

دم مدار
بیڑا پار
MADAARI MEDIA
The Silsila e Aaliya Madaariya Social Platform

سلسلۂ مداریہ کے بزرگوں کی سیرت و سوانح
سلسلۂ عالیہ مداریہ سے متعلق کتابیں
سلسلۂ مداریہ کے علماء کے مضامین تحریرات
سلسلۂ مداریہ کے شعراء اکرام کے کلام

حاصل کرنے کے لئے اس ویب سائیٹ پر جایئے

www.MadaariMedia.com

@MadaariMedia

@MadaariMedia

@MadaariMedia

@MadaariMedia

Authority : Ghulam Farid Haidari Madaari

GOVT. URDU LIBRARY
27281
ACC. N ......
Date.........
PATNA

اظہارِ تشکر

یہ کتاب

جناب الحاج عبدالوکیل پرویز

جناب محمد اسرائیل برطانیہ

کے خصوصی مالی تعاون اور جناب غازی وحید الدین علی خان، جناب محمد صدیق علی خان پٹیل، جناب الحاج عبدالحفیظ، جناب تجمل حسین ظفر،
جناب قاضی اعجاز الدین، جناب قاضی خلیل احمد، جناب سید اعظم علی، جناب عظیم خان، جناب شکیل احمد، جناب عبداللطیف سیٹھ، جناب محمد عمر ابن نصیر سیٹھ، جناب سید اکرم علی، جناب الحاج محمد صابر انصاری اور جناب محمد جلیل عامل کے جزدی مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے لئے میں اپنے دل کی گہرائیوں سے ان مخلصین کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اس کتاب کی ترتیب وتالیف کے دوران میرے عزیز دوست برادرم

ظفراللہ خان اور میرے بیٹے محمد رفیع الدین نے میرا بھرپور ساتھ دیا۔ میں دل کی گہرائیوں سے ان دونوں کا ممنون ہوں۔

اس کتاب کا ایک اہم ماخذ انیسویں صدی کی ایک مشہور شخصیت قاضی محمد شمس الدین کی تالیف "مجموعۂ شمسی" ہے جو ان کے خاندان کے ایک فرد عزیزم قاضی خلیل احمد (پروپرائٹر نیشنل الکٹرانک شاپ، نزد بدھو خان کا منارہ، گاندھی باغ، ناگپور) کی تحویل میں ہے۔ انھوں نے مجھ کو یہ قلمی کتاب مطالعہ کے لئے دی اور جب بھی ان کے گھر اس مقصد کے تحت گیا انھوں نے میرا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔ میں اس تعاون کے لئے ان کا بے حد مشکور ہوں۔

ناسپاسی ہوگی اگر عزیزم اعجاز احمد انصاری اور عزیزم فیضان عادل کا شکریہ ادا نہ کیا جائے۔ عزیزم اعجاز احمد انصاری نے اس کی کتابت میں بے حد دلچسپی لی اسی طرح عزیزم فیضان عادل نے اس کی اشاعت کے دوران پیش آنے والی مشکلات کو میرے لئے بخوشی برداشت کیا۔ میں ان دونوں کا بھی ممنون و مشکور ہوں۔

ناچیز
شرف الدین ساحل

میں انتہائی ادب و احترام کے ساتھ
اپنی اس کتاب کو اپنے والدِ محترم

حاجی محمد یٰسین مرحوم

کے نام سے اس اعتراف کے ساتھ معنون کرتا ہوں

نہ بحرب ساختہ سرخوشم ، نہ بنقشِ بستہ مشوشم
نفسی زیادِ تو می زنم ، چہ عبارت و چہ معانیم

شناس نامہ

نام مع تخلص : محمد شرف الدین ساحل

پتہ : حیدری روڈ مومن پورہ، ناگپور ۴۴۰۰۱۸

والد کا نام : حاجی محمد یٰسین (وفات: ۳۰ دسمبر ۱۹۷۲ء)

مقام پیدائش : مومن پورہ، ناگپور (مہاراشٹر)

تاریخ پیدائش : ۲ اگست ۱۹۴۹ء

تعلیم :

ایم اے (اردو)	۱۹۷۴ء	ناگپور یونیورسٹی
ایم اے (فارسی)	۱۹۷۶ء	ناگپور یونیورسٹی
ایم اے (عربی)	۱۹۷۸ء	ناگپور یونیورسٹی
بی ایڈ	۱۹۸۱ء	ناگپور یونیورسٹی
پی ایچ ڈی	۱۹۷۷ء	ناگپور یونیورسٹی
پی ایچ ڈی	۱۹۸۶ء	ناگپور یونیورسٹی

تصانیف :

ملت اسلامیہ کا سفر	۱۹۸۰ء	تحقیق
بیان میرٹھی حیات و شاعری	۱۹۸۰ء	تحقیق و تنقید
کامٹی کی ادبی تاریخ	۱۹۸۲ء	تحقیق و تنقید
دست کوہکن	۱۹۸۳ء	شعری مجموعہ
تاریخ ناگپور	۱۹۸۳ء	تحقیق

شرارِ جستہ	۱۹۸۵ء	شعری مجموعہ
شرح قصیدہ مدیح خیر المرسلین	۱۹۸۹ء	شرح و تنقید
رعنائیِ خیال	۱۹۸۹ء	شرح و تنقید
واردات ایک مطالعہ	۱۹۹۰ء	تحقیق و تنقید
حرا کی روشنی	۱۹۹۰ء	نعتیہ شعری مجموعہ
سرسیّد اور ان کے مضامین ایک مطالعہ	۱۹۹۰ء	تحقیق و تنقید
شرحِ کلام غالب (ردیف وار)	۱۹۹۰ء	شرح
شرح اشعارِ مومن	۱۹۹۲ء	شرح
ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر	۱۹۹۳ء	تحقیق و تنقید
معیارِ ادب	۱۹۹۴ء	تنقیدی مضامین کا مجموعہ
ناگپور کا مسلم معاشرہ	۱۹۹۶ء	تحقیق

انعامات : بیان میرٹھی حیات و شاعری پر ۱۹۸۱ء میں یوپی اردو اکادیمی لکھنو اور مہاراشٹر اردو اکادیمی بمبئی سے انعام ملا۔

کامٹی کی ادبی تاریخ پر ۱۹۸۳ء میں مہاراشٹر اردو اکادیمی بمبئی سے انعام ملا۔

تاریخ ناگپور پر ۱۹۸۴ء میں مہاراشٹر اردو اکادیمی بمبئی سے انعام ملا۔

ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر پر ۱۹۹۴ء میں یوپی اردو اکادیمی لکھنؤ سے انعام ملا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کتاب پر

اس کتاب کی ترتیب و تالیف کا خیال میرے دل میں اس وقت پیدا ہوا جب ۱۹۹۳ء میں میری تصنیف "ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر" شائع ہو کر منظرِ عام پر آئی۔ یہ کتاب میرے اندازے کے برخلاف ہند و پاک کے علمی و ادبی حلقوں میں بے حد پسند کی گئی۔ یہیں سے میرے ذوقِ تحقیق نے ایک نئی کروٹ لی اور یہ کتاب معرضِ وجود میں آئی۔

اس میں گونڈ اور بھوسلہ عہد (۱۷۰۰ء سے ۱۸۵۴ء تک) کے مسلم معاشرے کی ایک سچی، کھری، صاف اور واضح تصویر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس دور کے مسلمانوں کے سیاسی، تہذیبی، تمدنی، اصلاحی اور معاشرتی کارناموں کو شرح و تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر ان نمایاں شخصیتوں کے حالات بھی قلمبند کئے گئے ہیں جنہوں نے ناگپور میں تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے۔

اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔ اس کے لئے مجھے مواد کی تلاش و تحقیق میں بارہا حوصلہ شکن حالات سے دوچار ہونا پڑا لیکن میرے عزم و حوصلہ نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں ہر مشکل مرحلے کو میں صبر و استقامت کے ساتھ طے کرتا چلا گیا۔ دراصل یہ خدا کا ہی فضل و کرم ہے اس لئے اس کی بارگاہ میں

سجدہ شکر ادا کرتا ہوں۔

میرے خیال میں ابھی اس کتاب میں اضافے کی بہت کچھ گنجائش ہے ۔ اگر مزید تحقیق کی جائے تو اسی طرح کے کئی اور پوشیدہ حالات سامنے آسکتے ہیں ۔ بہر حال اب تک کی تلاش و تحقیق کے نتیجے میں مجھے جو کچھ ملا ہے اسے نذرِ قارئین کر رہا ہوں ۔ میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں اس کا فیصلہ بالغ نظر نقاد پر چھوڑتا ہوں ۔

اس کتاب کے باذوق قارئین سے میری مخلصانہ درخواست ہے کہ اگر اس موضوع کے متعلق ان کے پاس اس کے علاوہ مزید معلومات ہو تو ازراہِ کرم مجھے عنایت فرمائیں تاکہ آئندہ اس میں اضافہ کیا جاسکے ۔

ناچیز

شرف الدین ساحل

ناگپور

۲۶ر دسمبر ۱۹۹۵ء

ناگپور کا مسلم معاشرہ

— گونڈ اور بھوسلہ عہد میں —

(۱۷۰۰ء سے ۱۸۵۴ء تک)

جسم کی موت ترا نام رکھے گی زندہ
گرچہ تاریخ کو بخشا کوئی عنواں تو نے
شرف الدین ساحل

Www.MadaariMedia.Com

ناگپور کا مسلم معاشرہ

— تاریخ کے تناظر میں —

ناگپور کے مسلم معاشرے کی تاریخ کا آغاز اس شہر کی بنیاد کے ساتھ ہوتا ہے دراصل اس شہر کا بنیادی پتھر ہی ایک نومسلم گونڈ راجہ بخت بلند شاہ نے اٹھارہویں صدی کی ابتدا میں رکھا تھا اور اسے ۱۷۰۶ء میں اپنی حکومت کا صدر مقام بنایا تھا۔ [1]

ویران علاقہ:

ناگپور سولہویں صدی کے اختتام تک ایک سنسان اور ویران علاقہ تھا۔ یہ ناگ پھنی کے درختوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان کے بیچ ایک چھوٹی سی ندی رواں دواں تھی جو ناگ پھنی کی رعایت سے ناگ ندی کہلائی۔ گویا اس وقت تاریخی، تمدنی، تہذیبی، علمی اور معاشرتی لحاظ سے اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

تاریخی حیثیت :

اسکو تاریخی حیثیت اس وقت ملی جب مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر کے دور (۱۵۵۶ء – ۱۶۰۵ء) میں وسط ہند میں حکومت دیوگڑھ کا قیام عمل میں آیا۔ دیوگڑھ، چھندواڑہ (مدھیہ پردیش) سے ۳۹ کلومیٹر دور جنوب مغرب میں دیوگڑھ پہاڑی کے اطراف واقع ہے۔ اس حکومت کا بانی جاٹبا (وفات ۱۶۲۰ء) نامی ایک گونڈ تھا۔ وہ اکبر اعظم کا مطیع و فرماں بردار تھا اور اسے سالانہ خراج دیا کرتا تھا۔ اکبر کے مؤرخ ابوالفضل کی کتاب آئین اکبری سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جاٹبا کے پاس اچھی خاصی فوجی قوت تھی۔ اس نے اس فوجی قوت کے سہارے اپنی اس نئی حکومت کی اس قدر توسیع کی کہ اس کی سرحد دین گنگا سے وردھا ندی تک پھیل گئی۔ تب اس نے اپنی حکومت کی حفاظت کے لیے ناگپور کے علاقے میں ناگ ندی کے کنارے سترہویں صدی کے آغاز میں ایک عظیم الشان مضبوط قلعہ تعمیر کروایا۔ اس میں اس کی فوج رہا کرتی تھی۔ یہیں سے رفتہ رفتہ یہ علاقہ آباد ہونے لگا۔

خان دوراں کا حملہ :

جاٹبا کے بیٹے کوک شاہ کے دور (۱۶۳۴ء – ۱۶۴۸ء) میں خراج ادا نہ کرنے کی پاداش میں مغل بادشاہ شاہجہاں کے معروف سپہ سالار خان دوراں نے حکم شاہی کے مطابق ۲۹ شعبان ۱۰۴۶ھ (جنوری ۱۶۳۷ء) کو اسی قلعہ پر زبردست حملہ کیا تھا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ شاہجہاں کے مؤرخ عبدالحمید لاہوری نے اپنی تصنیف بادشاہ نامہ میں اس حملہ پر تفصیل سے روشنی

ڈالی ہے۔ یہی وہ پہلا تاریخی واقعہ ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے عبدالحمید لاہوری نے اس علاقہ کو ناگپور کے نام سے یاد کیا ہے، ورنہ اس سے پہلے تاریخ کی کسی کتاب یا کسی دستاویز میں اس علاقہ کا یہ نام نظر نہیں آتا۔ عبدالحمید لاہوری کے الفاظ یہ ہیں۔ ؎

پس ازاں کہ عساکرِ منصورہ یک منزلے ناگپور رسید

خان مذکور بناگپور رسید

خان دوراں حصن ناگپور را باز گزاشت

اس حقیقت کی روشنی میں یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ اس علاقے کو ناگپور کے نام سے یاد کرنے والا پہلا شخص شاہجہاں کا مورخ عبدالحمید لاہوری ہے۔ ممکن ہے کہ ناگ پھنی یا ناگ ندی کی رعایت سے اس نے اس علاقہ کو ناگپور کے نام سے یاد کیا ہو۔

راجاپور بارسا :

جاٹبا کے بیٹے کوک شاہ کی وفات (۱۶۴۸ء) سے بخت بلند شاہ کی دوبارہ تخت نشینی (۱۶۹۱ء) تک ناگپور کی تاریخ فقط جاٹبا کے تعمیر کردہ قلعہ تک محدود رہی۔ اس دور میں لوگ قلعہ کے چاروں طرف کافی فاصلے سے ناگ پھنی کے درختوں کو صاف کرکے آباد ہونا شروع ہوئے۔ یوں رفتہ رفتہ ہیوری، ہرپور، ببول کھیڑا، شکردرہ، وٹھوڑا، اکری، لینڈلا، پھوٹالا، گاڑگا، بھانکھیڑا، ہنساپوری، سیتابلڈی نامی بارہ چھوٹے چھوٹے قریے وجود میں آئے۔ ان قریوں کے مجموعے کا نام راجاپور بارسا تھا۔

بخت بلند شاہ :

سچ پوچھو تو اس علاقہ کی قسمت بخت بلند شاہ نے سنواری وہ گونڈ خاندان کا ایک قابل، دور اندیش اور لائق حکمراں گزرا ہے۔ اس کی تخت نشینی کے بعد جب اس کے بھائیوں نے دشمنانہ رویہ اختیار کیا تو وہ جان بچا کر دیوگڑھ سے نکل گیا اور تخت و تاج کی بازیابی کے لیے اورنگ زیب (۱۶۵۸ء - ۲۰ فروری ۱۷۰۷ء) سے براہ راست رابطہ قائم کیا۔ وہ اسی مقصد کے تحت تقریباً ۸ سال تک اورنگ زیب کے دربار میں مقیم رہا۔ اس اثنا میں اس نے اسلامی تعلیم اور مسلم تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر ۱۶۸۶ء میں اسلام قبول کیا اور بادشاہ سے بخت بلند کا خطاب حاصل کیا۔ جب اورنگ زیب نے اس کی راہوں کے تمام کانٹے صاف کر دئے، اس وقت اس نے ۹ رمضان المبارک ۱۱۰۲ھ (۱۶۹۱ء) کو ہزاری ہزار کے منصب و خلعت، اسپ و فیل اور راجہ کے معزز خطاب سے سرفراز کر کے دیوگڑھ جانے کی اجازت دی۔ [۵]

دیوگڑھ پہنچنے کے بعد بخت بلند شاہ نے دیوگڑھ کا نام تبدیل کر کے اسلام گڑھ رکھا۔ اور اپنے جشنِ تخت نشینی کا اہتمام کیا۔ اس کی حکومت میں چھندواڑہ سیونی۔ بالاگھاٹ، بیتول، بھنڈارہ اور ناگپور کے علاقے شامل تھے۔ [۶]

ناگپور شہر کی تشکیل:

ناگپور شہر کی تشکیل بخت بلند شاہ کا ایک غیر معمولی کارنامہ ہے۔ اس نے اٹھارہویں صدی کے آغاز میں راجا پور بارسا کے بارہ قریوں کو ان کے بیچ حائل جنگلات صاف کر کے سڑکوں کے ذریعہ ایک دوسرے سے جوڑا اور جاٹبا کے تعمیر کردہ قلعہ کے اطراف ایک جدید شہر کی بنیاد ڈالی۔

یہ بخت بلند شاہ ہی تھا جس نے اس نئے شہر کی آرائش و زیبائش کی۔ اسے متعدد محلوں میں تقسیم کیا اور اس کی حفاظت کے لیے چاروں طرف فصیل تعمیر کروائی یہی نہیں بلکہ جب شہر سلیقہ سے آراستہ ہوگیا تو اس نے ۱۷۰۶ء میں اسلام گڑھ (دیوگڑھ) سے اپنا پایۂ تخت منتقل کر کے ناگپور لایا ۷ے اور خود تزک و احتشام کے ساتھ قلعہ میں مقیم ہوا۔ اسلام گڑھ سے اس کے ساتھ جو قافلہ ناگپور آیا تھا اس میں مسلمان امرا، حفاظ اور علماء بھی شامل تھے۔ اس اعتبار سے حافظ نور محمد، راجہ خان اور محمود خان جھلکی کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ حافظ نور محمد عالمِ دین اور حافظِ قرآن تھے۔ انہیں شاہی امام کا مرتبہ حاصل تھا۔ راجہ خان، بخت بلند کی فوج کے سپہ سالار تھے، جو بعد کو ڈونگرتال (سیونی) کے گورنر بنائے گئے۔

تاریخ امجدی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ برار کے نواب اسمٰعیل خان نیّ (وفات: ۱۷۷۵ء) نے بھی اپنی زندگی کے کچھ سال بخت بلند شاہ کے ملازم کی حیثیت سے ناگپور میں گزارے۔ وہ دہلی سے چتوڑ اور چتوڑ سے تلاش معاش میں ناگپور آئے۔ یہاں سے برار کا رخ کیا، جہاں وہ اپنی صلاحیتوں کے باعث ۱۷۷۰ء میں صوبیدار کے منصب پر مامور ہوئے۔ ۸ے

بخت بلند شاہ کے زمانے میں نوزائیدہ شہر ناگپور کی آبادی بہت ہی مختصر تھی۔ وہ قلعہ اور اس کے اطراف کے چند مکانوں کے نفوس پر مشتمل تھی یہاں اس نے خدا کی عبادت و بندگی کے لئے آبادی کی مناسبت سے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروائی۔ قلعہ میں یہ مسجد آج بھی موجود ہے اور شاہی مسجد کہلاتی ہے۔

چاند سلطان :

ابھی ناگپور کی تشکیل کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ ۱۷۰۹ء کے آس پاس بخت بلند شاہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا چاند سلطان تخت نشین ہوا۔ اس نے انتہائی امن و سکون کے ماحول میں حکومت کی۔ ناگپور کو اور زیادہ نکھارنے اور سنوارنے میں خاصی دلچسپی لی۔ ایک نئے منصوبے کے تحت شہر کو بارونق بنانے کے لئے شہر پناہ کی فصیل کو مزید مضبوط و مستحکم بنایا اور اس میں پانچ دروازے:(جمعہ دروازہ ، بدھوار دروازہ ، جنڈارہ دروازہ ، امریڈ دروازہ اور رادت وار دروازہ) تعمیر کروائے۔ ان میں عالیشان جمعہ دروازہ آج تک قائم ہے اور اپنے بنانے والے کی شان و شوکت کی یاد کو تازہ کرتا رہتا ہے۔

چاند سلطان نے اپنے نئے منصوبے کے تحت جمعہ دروازے کے سامنے ایک عظیم الشان اور بارونق تالاب بھی جمعہ تالاب کے نام سے بنوایا اور نمازِ جمعہ اور عیدین کی ادائیگی کے لئے فصیل کے باہر جنوبی سمت میں ایک چھوٹی سی جمعہ مسجد تعمیر کروائی۔ جمعہ کے مقدس دن کی رعایت سے بنائی گئیں یہ تینوں یادگاریں آج تک قائم و محفوظ ہیں۔ ان کی تعمیر میں کالے پتھروں کا استعمال کیا گیا ہے۔

ان تعمیرات کے علاوہ چاند سلطان نے ناگپور کو تیزی سے آباد کرنے کے لئے عمارتیں تعمیر کروائیں ، کنویں کھدوائے ، باغات لگوائے ، شہر کے اطراف کے کھیتوں کو سرسبز و شاداب بنانے میں دلچسپی لی اور انتظامِ حکومت میں اپنے والد کے غیر متعصب ، فیاض اور کشادہ طریقوں کو اپنایا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسرے مقامات کے مسلمانوں اور ہندوؤں نے تلاشِ معاش میں ناگپور کی راہ لی۔ یوں یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت

فصیل بند شہر بن گیا ۔

چاند سلطان کے دور میں جو مسلمان مختلف علاقوں سے ناگپور آئے ان میں تکیہ دیوان شاہ کے مورثِ اعلیٰ اور بانی سجن گلزار، جمعہ مسجد کے متولی میاں وجیہہ الدین کا خاندان اور میر ببر علی کا خاندان نمایاں حیثیت رکھتا ہے ان کے حالات "بابِ مشاہیر" میں تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

رگھوجی بھوسلہ کی مدد :

چاند سلطان نے ۱۷۳۵ء میں رحلت فرمائی۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ میر بہادر شاہ، برہان شاہ اور اکبر شاہ۔ خاندانی روایت کے مطابق اب چاند سلطان کا بڑا بیٹا میر بہادر شاہ تخت و تاج کا وارث تھا لیکن اسے چاند سلطان کے چھوٹے بھائی ولی شاہ نے قتل کر کے خود حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اس ہنگامی اور پُرخوف ماحول میں بیوہ رانی رتن کنور نے اپنی ہمت، دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ وہ اس طرح کہ اس نے اپنے دونوں کم عمر بیٹوں کی حفاظت اور تخت و تاج کی بازیابی کے لئے اپنے ایک سابق خادم رگھوجی بھوسلہ سے مدد کی درخواست کی۔ وہ اس وقت چھترپتی شاہو کی فوج سے وابستہ ہو چکا تھا اور اپنی فوج کے ہمراہ بھام (ایوت محل، مہاراشٹر) میں مقیم تھا۔

رانی کی درخواست پر رگھوجی ۱۷۳۶ء میں اپنی فوج کے ہمراہ ناگپور آیا۔ اس نے ولی شاہ کو بری طرح شکست دے کر قید کیا اور ناگپور سے دیوگڑھ تک تمام علاقے فتح کر کے رانی رتن کنور کے حوالے کئے۔ رگھوجی کی اس مدد سے خوش ہو کر رانی نے اس کو اپنا تیسرا بیٹا تسلیم کیا اور ۱۷۳۷ء میں حکومت

کے تین حصّے کر کے برہان شاہ ، اکبر شاہ اور رگھوجی کے مابین تقسیم کر دئے۔ نیز اس نے جنگ کے اخراجات کے دس لاکھ روپے بھی رگھوجی کو ادا کئے۔ ۱۰ھ

ناگپور رگھوجی کو انعام میں ملا :

اس تقسیم کی رو سے رگھوجی کو ناگپور ، بھنڈارہ ، پونی ، مروڑ ، ملتائی اور برگھاٹ کے علاقے انعام کے طور پر ملے۔ رانی رتن کنور نے یہ انعام ۱۷۳۷ء میں رگھوجی کو ایک سند کے ذریعہ دیا تھا۔ اسی سند میں رانی نے اس بات پر بھی اپنی یہ رضامندی ظاہر کی تھی کہ وہ رگھوجی کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے سے معاہدہ نہیں کرے گی۔ اس سند کے حصول کے بعد رگھوجی نے مختلف مقامات پر تھانے بٹھائے اور ان میں اپنے افسروں کا تعین کیا۔ اب اس نے بھام کے بجائے ناگپور کو اپنا صدر مقام بنایا۔ ۱۱ھ

رگھوجی کا دیوگڑھ حکومت پر مکمل قبضہ :

رگھوجی نے ۱۷۳۷ء سے ۱۷۵۲ء تک اپنی حکمت عملی سے حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دیوگڑھ حکومت کے تمام علاقوں کو بھی اپنی تحویل میں لے لیا۔ ہوا یہ کہ رانی رتن کنور کے انتقال (۱۷۴۳ء) کے بعد جب اکبر شاہ نے برہان شاہ کے خلاف بغاوت کی تو برہان شاہ نے رگھوجی سے مدد کی درخواست کی۔ اس درخواست پر رگھوجی نے اکبر شاہ کی بغاوت کو کچلا۔ نتیجہ میں وہ حیدر آباد کی طرف بھاگ نکلا جہاں بے کسی کے عالم میں اس کا انتقال ہوا۔

اس مدد کے صلہ میں برہان شاہ نے اکبر شاہ کی جاگیر کا تمام حصّہ

رگھوجی کو دے دیا اور ایک معاہدے کے تحت اپنی آمدنی کا چوتھائی حصہ بھی رگھوجی کو دینا منظور کیا۔

اس کے بعد جب برہان شاہ کے دیوان رگھوناتھ سنگھ نے ۱۷۴۸ء میں برہان شاہ اور رگھوجی کے درمیان قائم برادرانہ اور خوش گوار تعلقات بگاڑنے کی کوشش کی، رگھوجی کو برہان شاہ کی آمدنی کا چوتھائی حصہ دینا بند کر دیا اور چاندہ کے گونڈ راجہ سے رگھوجی کے خلاف ساز باز کرنے لگا تو بنگال کے حملے سے فارغ ہونے کے بعد ۱۷۵۲ء کے آس پاس رگھوجی نے رگھوناتھ سنگھ پر حملہ کر کے اسے قید کر لیا اور برہان شاہ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ یوں دیوگڑھ کی مکمل حکومت رگھوجی کے قبضہ میں آگئی۔ اب اس نے برہان شاہ کے اخراجات کے لئے صوبہ رتن پور کی کل آمدنی مبلغ تین لاکھ روپے سالانہ بطور پنشن مقرر کر دی۔ [۱۲]

مثالی رسم :

دیوگڑھ حکومت پر مکمل قبضہ کرنے کے بعد بھی رگھوجی نے برہان شاہ سے ہمیشہ خوش گوار اور برادرانہ تعلقات قائم رکھے۔ وہ برہان شاہ کی بے حد عزت کرتا۔ اپنی حکومت کی تمام آمدنی اس کے علم میں لاتا اور اس سے اہم معاملات میں صلاح مشورہ کرتا۔ اس نے یہ قاعدہ بھی مقرر کیا تھا کہ جو کوئی اس کے بعد راج گدی پر بیٹھے گا اس کی پیشانی پر مسند نشینی کے وقت برہان شاہ یا اس کی اولاد میں سے جو زندہ ہوگا راج تلک لگائیگا۔ تاکہ ہر دور میں رعایا کو یہ بات معلوم ہوتی رہے کہ رگھوجی نے دیوگڑھ کی حکومت محبت و خلوص اور برادرانہ حیثیت سے حاصل کی تھی، ظلم و زیادتی سے نہیں اور یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی رہے کہ گونڈ راجہ،

بھوسلہ راجہ کے محسن تھے چنانچہ سب سے پہلے رگھوجی نے بذاتِ خود اس رسم کی ابتدا کی۔ اس نے پیشوا کی جانب سے روانہ کردہ خلعتِ فاخرہ پہننے کے بعد برہان شاہ کی خدمت میں حاضری دی اور اس سے اپنے ماتھے پر راج تلک لگوایا۔ ۱۳ھ

یہ رسم گونڈ خاندان کے آخری وارث راجہ محمد اعظم شاہ (وفات ۱۹۵۵ء) کی وفات تک قائم رہی۔

برہان شاہ:

چاند سلطان کی وفات کے وقت برہان شاہ کی عمر تقریباً سترہ سال تھی اور جب رگھوجی نے اس کو اس کی حکومت سمیت اپنی حفاظت میں لیا تو وہ تقریباً ۳۴ سال کا تھا۔ چوں کہ کم عمر تھا اور عمر طویل پائی تھی اس لئے اس نے چار بھوسلہ راجاؤں کا زمانہ دیکھا۔ رگھوجی اول (وفات ۱۷۵۵ء) جانوجی بھوسلہ (وفات: ۱۷۷۲ء) مودھاجی بھوسلہ (وفات: ۱۷۸۸ء) اور رگھوجی ثانی بھوسلہ (وفات: ۱۸۱۶ء)۔ یہ تمام راجہ اس کی بے انتہا عزت کرتے اور اسے راجہ صاحب کے نام سے یاد کرتے۔ وہ ناگپور کے قلعہ میں بذاتِ خود اس کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے اپنے ہاتھوں سے تین لاکھ روپے سالانہ پنشن عطا کرتے۔ ۱۴ھ

برہان شاہ کا انتقال ۱۷۹۶ء میں ناگپور میں ہوا۔ اس کی پختہ قبر شکر درہ چوک (ناگپور) کے قریب گونڈ شاہی قبرستان میں اب تک محفوظ ہے۔

اسکے چھ بیٹے تھے: بہرام شاہ، سلیمان شاہ، فیروز شاہ سکندر شاہ، اعظم شاہ اور انور شاہ۔ ان میں بہرام شاہ، برہان شاہ کی وفات کے بعد مسند نشین ہوا۔

برہان شاہ عربی، فارسی اور اردو کا ماہر تھا۔ اس نے بھوسلہ راجہ کے میر منشی بھوانی پنت (وفات ۱۷۹۰ء) سے فارسی کی اعلا تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے دربار سے منسلک ایک شاعر لالہ بھیم چند اپنے شاہکار ترجمۂ شاہنامہ فردوسی میں اس کی تعریف کرتے ہوئے ابتدا میں لکھتا ہے۔ ۱۵ے

سمجھ کر کے برتر بزرگی و جاہ   اسم خفی بخشا ہے برہان شاہ
شجاع، شیر افگن، ہے عالم پناہ   ہے خوش وقت جیسے رعیت سپاہ
عبادت، سخاوت، شجاعت، شکار   جمع ہیں اسی شاہ میں آشکار
علم عاربی، فارسی، ہندوی
ہے از بر جسے دینی و دنیوی

لالہ بھیم چند ناگپور میں اردو کا پہلا شاعر گزرا ہے۔ اس نے ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۲ء) میں فردوسی کے شاہنامے کو اردو میں نظم کرنا شروع کیا اور ۱۲۱۴ھ (۱۷۹۹ء) میں درجۂ تکمیل کو پہنچایا۔ اس کتاب کا مخطوطہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری، حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ ہم نے اس پر اپنی تصنیف ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

راجہ برہان شاہ کے اخلاف ہمیشہ ناگپور کے قلعہ میں مقیم رہے اس خاندان کے پس ماندگان آج بھی ناگپور میں آباد ہیں۔

رگھوجی اوّل (۱۷۳۷ء - ۱۷۵۵ء):

رگھوجی کا دورِ حکومت انیس سال پر محتوی ہے۔ وہ ایک بہادر اور حوصلہ مند مرہٹہ سردار تھا۔ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ میدانِ جنگ میں گزرا۔ وہ جس طرف بھی گیا کامیابی نے اس کی قدم بوسی کی۔ اس نے ناگپور سے سرحدِ بنگال تک اپنی فتح مندی کا پرچم لہرایا اور بنگال اور بہار کے علاقوں

سے لگان وصول کرنے کا فرمان علی وردی خان سے حاصل کیا۔ اس کے قبضے میں ناگپور، راتے پور، رتن پور، بلاسپور، سمبلپور، گڑھا منڈلا، چاندہ، دیوگڑھ اور نرنالا کے قلعے اور ان سے ملحق علاقے تھے۔ اس طرح اس کی حکومت کی سرحد برار سے کٹک تک پھیلی ہوئی تھی۔ [16]

وہ ایک فیاض، غیر متعصب، انصاف پسند اور رعایا پرور حکمراں تھا، اس لئے ہندو اور مسلمان دونوں اس سے خوش تھے۔ اس نے مسلمانوں کو بھی اپنی حکومت کے کام کاج میں خاصہ حصّہ دیا تھا۔ اس کی فوج کے سپہ سالاروں میں علی قراول خان اور شاہ محمد خان کا نام نمایاں حیثیت سے ملتا ہے۔ وہ ہندو سادھوؤں کے ساتھ ساتھ مسلم فقرا، علماء صوفیا اور اہل اللہ کا بھی دل سے قدردان تھا اور دسہرے اور گنپتی کے تہوار کے علاوہ عاشورۂ محرم بھی بڑے جوش و خروش سے مناتا تھا۔ [17]

اس کے دور میں حاجی عبدالشکور اور قاضی عبدالرزاق کا خاندان ناگپور آیا اور یہاں مستقل آباد ہوا۔

جانوجی بھوسلہ سے رگھوجی ثانی تک:

(۱۷۵۵ء سے ۱۸۱۶ء تک)

رگھوجی اوّل کی وفات (۱۴ فروری ۱۷۵۵ء) کے بعد اس کا بڑا بیٹا جانوجی تخت نشین ہوا۔ وہ لاولد تھا۔ اس لئے اس نے اپنے چھوٹے بھائی مودھاجی کے بیٹے رگھوجی (ثانی) کو گود لے لیا تھا۔ جب جانوجی نے ۱۱ مئی ۱۷۷۲ء کو رحلت فرمائی تو اس کے چھوٹے بھائی مودھاجی نے اپنے کم سن بیٹے کی جگہ حکومت کی ذمّے داری سنبھالی اور جب ۱۹ مئی ۱۷۸۸ء

کو مودھاجی کا انتقال ہوگیا تو رگھوجی ثانی کو آزادی کے ساتھ حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اس نے اٹھائیس سال تک شان و شوکت سے حکومت کی اور ناگپور کے وقار کو تاریخ میں بلند کیا۔

یہ بھی غیر متعصب، مسلم دوست اور انصاف پسند راجہ تھے۔ ان کا سلوک کبھی ہر مذہب کے لوگوں کے ساتھ مساویانہ تھا۔ وہ گنپتی کے علاوہ اپنی مسلم رعایا کا احترام کرتے ہوئے محرم بھی تزک و احتشام سے مناتے تھے۔ ہندوؤں کے مقدس مقامات کے علاوہ مسلم فقرا، صوفیا اور اولیائے کرام کے مزارات کی زیارت پابندی سے کیا کرتے تھے۔

راجہ مودھاجی بھوسلہ تو ایلیچپور (برار) کے مشہور و معروف بزرگ شاہ دولھا عبدالرحمٰن کا بے حد معتقد تھا۔ وہ اکثر ان کے مزار کی زیارت کرتا۔ اس نے شیخ عزالدین اور حجام سنگھ قلعہ دار گاول گڑھ کی مدد سے شاہ دولھا کی مزار کے باہر احاطہ کلاں، اس کے پانچ عالیشان دروازے، بنگلے، بروج مسدس، مثمن، نشست گاہیں اور بارہ دریاں تعمیر کروائی تھیں۔ تعمیر کا کام ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ء) میں شروع ہوا اور یہ رگھوجی بھوسلہ ثانی کے دور میں ۱۱۹۵ھ (۱۷۸۰ء) میں درجہ تکمیل کو پہنچا۔ ان تعمیرات پر مندرجہ ذیل کتبات لگے ہوئے ہیں جو ان حقائق کی تصدیق کرتے ہیں۔ ۱۵ھ

کتبہ بر دروازہ خورد مغرب:

روضۂ رحمٰن غازی رونق ملک برار — راجہ مودھاجی بہ صحنش کرد تعمیر استوار
زیں بناچوں جھام سنگھ حکمے بعزالدیں رساند — یک ہزار و یکصد و نود ہجری آشکار
جہت تاریخش قلم راندم ز لوحِ جانِ خود
ز آسماں شد ایں ندا کز عرض ذکرِ پائیدار ۱۱۹۰ھ

کتبہ اندرون جانب :

بر مرادِ راجہ گوبنا صاحب از شرف　　کرد مودھا جی بنائے روضۂ رحمٰن شاہ
شیخ عزالدیں، رفیقِ جہام سنگھ در چند سال　　ساختہ ایوان آں درگاہِ عالی بارگاہ
دو ہزار و یکصد و نود شدہ ترتیب آں　　با شکوہِ صولتِ گردونِ گرداں اشتباہ
یا الٰہی ایں بنا قائم بود بے حادثہ
از برائے یادگاری تا کہ باشد مہر و ماہ　　۱۱۹۰ھ

کتبہ بر دروازہ کلاں مغرب :

یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم۔ بروز جمعہ ۱۱۹۲ ہجری
یک ہزار و یکصد و نود و دو

کتبہ بر دروازہ جنوب :

از طفیل شاہ رحمٰں درۃ التاجِ شہاں　　راجہ مودھا جی بمقصد بہرہ ور شد در جہاں
شیخ عزالدین رفیقِ جہام سنگھ از سعیِ خود　　ساختہ زیں قطعہ تعمیر در جنت نشاں
از برائے سالِ تاریخش بحق کردم زجود
ہذا باب الجنّت ہاتف گفت اندر گوشِ جاں　　۱۱۹۵ھ

کتبہ بر دروازہ مشرق :

بر ترازِ عرش داں بصدق و یقیں　　ادجِ ایں بارگاہِ حاکمِ دیں
شاہ رحمٰں شہید و ہم غازی　　کہ شہاں بر درش نہند جبیں
چوں کہ از حکمِ راجہ مودھا جی　　ساخت تعمیر شیخ عزالدیں
گفت ہاتف مرا ببیں و بگوئے
ایں کہ دروازۂ بہشتِ بریں

کتبہ بر دروازہ شمال :

شکر انیز دجہاں آرائے کہ تعمیر دروازۂ قدوۂ معتقداں

وبزرگانِ خدا جوئے، حضرت شاہ عبدالرحمٰن غازی

بہ اقبالِ بندۂ درگاہِ الٰہی مہاراج رگھوجی بھوسلہ

باستصواب میر مہدی اتمام یافت ۱۱۹۵ ہجری

یک ہزار و یکصد و نود و پنج ہجری

راجہ مودھاجی بھوسلہ کی ناگپور کے سنٹرل میوزیم میں ایک انتہائی خوبصورت رنگین تصویر محفوظ ہے۔ اس تصویر کو کسی مصوّر نے ان سے جشنِ سالگرہ کے موقع پر پیش کیا تھا۔ تصویر کے اوپری سرے پر مودھاجی کا نام اس طرح تحریر ہے۔

"راجہ مودھاجی بہادر سیناپتی والیِ ناگپور"

اور تصویر کے پیچھے فارسی کی جو رباعی ملتی ہے وہ فنِ کتابت کا بے مثل شاہکار ہے۔ رباعی یہ ہے۔ [۱۹]

من عمرِ تو جاودانہ خواہم کہ شود
فرمانِ بر تو زمانہ خواہم کہ شود
ایں رشتہ کہ در سالگرہ می بندند
تسبیح ہزار دانہ خواہم کہ شود

دکنی مسلمانوں کی آمد:

جانوجی بھوسلہ سے رگھوجی ثانی تک ناگپور کی مسلم آبادی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ اس وقت یہاں جو مسلمان آباد تھے وہ خوش حال اور فارغ البال تھے۔ انھیں بھوسلہ راجہ کی طرف سے تمام سہولتیں فراہم تھیں۔ جو مسلمان راج دربار اور فوج سے وابستہ تھے انھیں بھوسلہ راجاؤں نے معقول جاگیریں عطا کی تھیں۔ بعض کو اعلا منصب

بھی دیئے گئے تھے۔ چنانچہ راجہ مودھا جی بھوسلہ نے سید محمد علی کو شہر کی منصفی کے عہدے پر فائز کیا تھا۔ وہ اس کے ثقافتی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ گویا شیخ محمد علی اس دور کی ایک بلند مرتبہ شخصیت تھے۔ ۲۰ھ

اس غیر متعصبانہ روش کا نتیجہ یہ نکلا کہ برار اور دکن کے مسلمان نقلِ مکانی کر کے یکے بعد دیگرے ناگپور آئے اور یہاں مستقل آباد ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب ۱۷۹۹ء میں ٹیپو سلطان کو انگریزوں نے شہید کر کے ریاست میسور کو اپنے قبضہ میں لے لیا تو اس ریاست کے متعدد مسلمان قافلہ در قافلہ ناگپور چلے آئے اور رگھوجی ثانی کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ ان مسلمانوں میں فنِ حرب کے ماہرین اور علوم و فنون کے کاملین دونوں شریک تھے۔ رگھوجی ثانی نے ان کی زبردست قدر و منزلت کی۔ انھیں اپنی فوج میں شامل کیا اور ان میں سے بعض کو معزز عہدے بھی دیئے۔ اس وقت ناگپور میں اس کثرت سے مسلمان آباد ہوئے کہ صرف رگھوجی ثانی کی گھوڑے سوار فوج میں ایک انگریز سفیر کول بروک کی رپورٹ کے مطابق ۱۷۹۹ء میں ۲۰ ہزار مرہٹہ سپاہیوں کے علاوہ ۴ ہزار پٹھان اور ایک ہزار عرب گھوڑے سوار سپاہی تھے۔ جبکہ اس کی فوج میں کل سپاہیوں کی مجموعی تعداد پچاس ہزار تھی۔ بعد کو مسلم سپاہیوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ چنانچہ سی، یو، ولز (C.U.Wills) کے بیان کے مطابق جب ۱۸۰۳ء میں رگھوجی ثانی نے مرہٹوں کی دوسری لڑائی میں انگریزوں سے مقابلہ کیا تو اس کی فوج میں ۲۵ ہزار پیدل سپاہی، ۴ ہزار عرب بٹالین اور ۱۵ ہزار گھوڑے سوار شامل تھے۔ ۲۱ھ

اسی طرح ۲۸ جنوری ۱۸۰۵ء کو الفنسٹن، ریذیڈنٹ ناگپور ایک خفیہ رپورٹ میں کرنل کلوز کو یہ اطلاع دیتا ہے کہ رگھوجی کی فوج ۱۵ ہزار سوار اور تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ سکھا رام بخشی کی قیادت و نگرانی میں ۴ ہزار سوار اور ۳ ہزار سپاہی ہیں۔ ان میں غالب تعداد عرب اور روہیلا (پٹھان) سپاہیوں کی ہے۔ [۲۲]

الفنسٹن نے یہ رپورٹ اس وقت بھیجی تھی جب رگھوجی ثانی نے جنوبی نربدا کے متنازعہ معاملات اور پنڈاریوں کے حملوں کے انسداد کے لئے اپنی فوج ترتیب دی تھی۔

ان تفصیلات سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس عہد میں مسلم سپاہی رگھوجی ثانی کی فوج میں ایک اہم اور موثر کردار ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے رگھوجی کی فوج کے ہمراہ مرہٹوں کی دوسری لڑائی (۱۸۰۳ء) میں پُر جوش رول ادا کیا۔ پنڈاریوں سے ہونے والی مسلسل جنگ (۱۷۹۹ء۔ ۱۸۰۹ء) اور ناگپور بھوپال سرحد کے تنازعہ میں نواب بھوپال سے ہونے والی لڑائیوں (۱۷۹۵ء۔ ۱۸۰۷ء) میں دل کھول کر حصہ لیا۔ اس لحاظ سے تاریخ میں نور خان سفید پوش، محمد غوث، نواب صدیق علی خان اور محمد امین خان کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سب راجہ کے نامور سپہ سالار تھے۔ خصوصاً صدیق علی خان کا نام تو تاریخ ناگپور میں بہت ہی روشن ہے۔ انھیں رگھوجی ثانی نے ان کی شجاعت و دلیری کے صلہ میں کافی انعام واکرام سے نوازا تھا اور جاگیریں عطا کی تھیں [۲۳] رگھوجی نے اپنے نظام حکومت کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے اپنے راج منڈل میں جن قابل اور ایماندار لوگوں کا تقرر کیا تھا، ان میں الف الدین کا بھی شمار ہے۔ وہ فراش خانہ اور اونٹ خانہ کے نگراں تھے۔ [۲۴]

مسجد الف الدین تلسی باغ ناگپور انہی کی بنوائی ہے۔ اس کا سنِ تعمیر ۱۲۱۱ھ (۱۷۹۶ء) ہے۔

اس دور میں جو لوگ ناگپور میں آباد ہوئے ان میں سید لطیف علی (عادل ناگپوری کے دادا) میرعبدالعزیز، نواب صدیق علی خان، مولوی فرحت اللہ، ہنو میاں، امام خان (بانی بڑے نعل صاحب) حافظ ولی خان، الف الدین، صادق منو بھالدار، صوفی محمد ابراہیم، غلام رسول غمگین، شاہ محی الدین بادشاہ اور حضرت شاہ حسن کا خاندان، تاریخِ ناگپور میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے حالات و کوائف پر بابِ مشاہیر میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

کشمکش و انقلاب:

رگھوجی ثانی نے ۲۲ مارچ ۱۸۱۶ء کو ناگپور میں رحلت فرمائی۔ اس کی وفات سے جون ۱۸۱۸ء تک ناگپور کی تاریخ کشمکش و انقلاب کی تاریخ ہے۔ اسی اثنا میں بھوسلہ خاندان کے اندرونی خلفشار اور مرہٹہ سپاہیوں کی چشم پوشی، غفلت اور لاپرواہی سے وہ حالات پیدا ہوئے جس کی وجہ سے ناگپور میں انگریزوں کا مکمل سیاسی تسلط قائم ہوا اور سیتابلڈی کی لڑائی کے بعد پانچ ہزار عرب سپاہیوں کو ایک معاہدے کے تحت ناگپور چھوڑ دینا پڑا۔

ہوا یہ کہ رگھوجی ثانی کی وفات کے بعد اس کا ۳۸ سالہ اکلوتا بیٹا پرسوجی عرف بالا صاحب تخت نشین ہوا۔ وہ مفلوج اور نابینا تھا۔ اس کو رگھوجی کے حقیقی بھتیجے مادھوجی عرف آپا صاحب نے حکومت کی لالچ میں یکم فروری ۱۸۱۷ء کو ہلاک کر دا کے چند مرہٹہ سرداروں اور انگریز افسروں کے تعاون

سے خود راجہ بن بیٹھا۔ دراصل آپا صاحب نے انگریز ریذیڈنٹ رچرڈ جنکنس (۱۸۰۷ء - ۱۸۲۶ء) سے مفاہمت کرکے ۲۸ مئی ۱۸۱۶ء کو خاموشی سے سب سیڈی ایری سسٹم کی وہ تمام شرطیں منظور کرلی تھیں جنہیں غیرت مند، خوددار اور باحوصلہ راجہ رگھوجی ثانی اپنے دورِ حکومت میں حقارت سے ٹھکرا چکا تھا۔ [۲۵]

سیتابلڈی کی لڑائی :

آپا صاحب نے ۲۱ اپریل ۱۸۱۷ء کو عنانِ حکومت اپنے ہاتھوں میں لی۔ ابھی اس کی تخت نشینی کو چند مہینے ہی گذرے تھے کہ وہ سب سیڈی ایری سسٹم کی شرائط کے پھندے میں لٹک گیا۔ اس وقت اس کو اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا۔ واقعہ یوں پیش آیا کہ حسبِ دستور پیشوا باجی راؤ نے آپا صاحب کے لیے سینا صاحب سبھا کا خطاب اور خلعتِ فاخرہ روانہ کی۔ اس کے حصول کے لئے آپا صاحب نے ایک عظیم الشان جشن کا اہتمام کیا اور اس میں ریذیڈنٹ جنکنس کو بھی شرکت کی دعوت دی۔ اتفاقاً اسی اثنا میں پیشوا نے پونا میں برٹش ریذیڈنسی کو آگ لگادی۔ اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی ریذیڈنٹ جنکنس نے آپا صاحب کو یہ خبر بھجوائی کہ وہ انگریزوں کے دشمن سے اعزاز لینے سے انکار کردے لیکن آپا صاحب نے اس حکم کو ٹھکرا کر ۲۴ نومبر کو بڑے تزک و احتشام سے جشن کا انعقاد کیا اور پیشوا کی جانب سے روانہ کردہ خلعتِ فاخرہ اور خطاب کو قبول کیا۔ آپا صاحب کا یہ اقدام سب سیڈی ایری سسٹم کی شرائط کے خلاف تھا لہٰذا ریذیڈنٹ جنکنس نے اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنایا اور انگریزی فوج کو تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ ادھر آپا صاحب نے

بھی مقابلے کی ٹھان لی چنانچہ اس نے بھی اپنی فوج کو انگریزی فوج سے متصادم ہونے کا حکم دے دیا۔ [۲۶]

عرب فوج کا کارنامہ :

آپا صاحب کا حکم ملتے ہی اس کی فوج کے تقریباً دو ہزار عرب سپاہیوں نے سیتا بلڈی ٹیکری کے دامن میں شہر اور ریذیڈنسی (موجودہ ناگپور، مہادیالیہ کی پرانی عمارت ریذیڈنسی تھی) کے بیچ ۲۵ نومبر کو دوپہر کے وقت مورچہ بندی کی۔ لڑائی کا آغاز ۲۶ نومبر کو شام میں تقریباً ۶ بجے ہوا۔ عربوں نے انگریزوں سے انتہائی جواں مردی اور دلیری سے ۲۷، نومبر تک مقابلہ کیا۔ عین اس وقت جبکہ عربوں کا حملہ شباب پہ تھا اور وہ فتح کے قریب تھے، آپا صاحب نے نہ صرف ان کو کوئی مدد نہیں بھیجی بلکہ ریذیڈنٹ کو یہ خبر بھی بھجوادی کہ "عربوں کا حملہ اس کی منشا کے خلاف ہے اور انہوں نے اپنی ذمے داری پر اس لڑائی کا آغاز کیا ہے"! حکمراں کی بزدلی ہی ان کی ہمت کو پست کرنے کے لیے کیا کم تھی اس پر ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ آپا صاحب کی فوج کے مرہٹہ سپاہیوں نے اس لڑائی میں اپنی بہادری کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجبوراً عربوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس لڑائی کا تجزیہ کرتے ہوئے مشہور مورخ یادو مادھو کالے اپنی تصنیف ناگپور کر بھوسلیانچا اتہاس میں واضح لفظوں میں لکھتے ہیں۔ [۲۷]

> سیتا بلڈی کی لڑائی دراصل آپا صاحب بھوسلہ کی عرب فوج کا ہی ایک غیر معمولی کارنامہ ہے۔

اس لڑائی میں مرہٹہ سپاہی کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود بھی اپنا کوئی کارنامہ انجام نہ دے سکے اور نہ ہی مرہٹہ فوج نے عرب فوج کی کوئی مدد کی۔ یہ بات حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے عربوں نے اپنے جسم و جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انتہائی انہماک اور دیانت داری کے ساتھ پوری مردانگی سے اس لڑائی میں انگریزوں سے جو مقابلہ کیا اس کی تعریف کرنا لازمی ہے۔

گنپت راؤ صوبیدار، رام چندر واگ، مادھو راؤ کھلاٹکر، صوبیدار نمبالکر، ان سپہ سالاروں نے حملہ ضرور کیا۔ مگر وہ بہت ہی معمولی تھا۔ علاوہ ازیں بیشتر مرہٹہ سپہ سالاروں نے اس لڑائی میں سرے سے کوئی حصہ نہیں لیا اور وہ میدانِ جنگ میں خاموش تماشائی بنے رہے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حملے کا حکم دینے کے باوجود بھی آپا صاحب بذاتِ خود ایک بار بھی میدانِ جنگ میں نہیں آیا اور نہ ہی اس نے عرب فوج کو کوئی مدد بھیجی۔ ایسے ماحول میں تنہا عرب فوج اپنی قوت کے سہارے انگریزوں سے مقابلہ کرتی رہی اور ایک وقت ایسا آیا جب اسے مجبوراً پسپا ہونا پڑا۔

اس لڑائی میں عربوں کی شجاعت و دلیری کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں انگریزوں کے ۳۶۵ سپاہی کام آئے اور ان کے کرنل سوتھ بے (Col Sotheby) کیپٹن سڈلر (Capt Sadler) ڈاکٹر نیون (Dr. Neven) اور لفٹننٹ کلارک (Lft. Clarke)

جیسے نامور سپہ سالار مارے گئے۔ ان کی قبریں آج بھی سیتابلڈی کی ٹیکری پر محفوظ ہیں۔

عرب سپاہی بھی کم و بیش اتنی ہی تعداد میں شہید ہوئے۔ ان شہدا کی پختہ مزاریں سیتابلڈی ٹیکری کے مشرقی اور مغربی سمت میں اسٹیشن روڈ اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری روڈ (گولی پورہ سیتابلڈی ناگپور) کے کنارے تھیں۔ لیکن اب ان کے نام و نشان تک موجود نہیں ہیں۔ صرف اسٹیشن روڈ کے کنارے ایک مزار باقی رہ گئی ہے۔ تار آفس مسجد کے صحن میں موجود مزاریں اور میٹھا نیم شریف کی مزار بھی غالباً اسی دور کی یادگار ہے۔

عرب فوج نے ناگپور شہر کی حفاظت کی:

سیتابلڈی کی لڑائی میں شکست سے دوچار ہونے کے باوجود بھی عربوں نے انگریزوں کے آگے اپنا سر نہیں جھکایا بلکہ وہ شہر کو انگریزوں سے بچانے کے لئے دل و جان سے مصروف ہو گئے۔ اس وقت ناگپور ایک فصیل بند شہر تھا۔ اس کے چاروں طرف بڑے بڑے دروازے تھے۔ ان کو بند کر کے تقریباً پانچ ہزار عرب سپاہی کم و بیش ایک مہینے تک شہر کی حفاظت کرتے رہے۔

اسی اثنا میں آپا صاحب ریذیڈنٹ جنکنس کے حضور میں پیش ہو کر اپنے بے قصور ہونے کا اقرار کر چکا تھا اور انگریز آپا صاحب کی فوجی چھاؤنیوں پر قابض ہو چکے تھے۔ لیکن اصل شہر پر ابھی تک ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا بلکہ اس پر عرب فوج قابض تھی۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے انگریزوں نے شہر پناہ کی فصیل کے باہر سے کئی حملے کئے لیکن عربوں کی ہمت

وجواں مردی کے آگے ان کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ آخر کار تھک ہار کر جنرل ڈوٹین (Gen Deweton) نے ۲۱ دسمبر کو عربوں کو اپنے سفیر کے ذریعہ یہ پیغام بھیجا اگر وہ شہر کو انگریزوں کے حوالے کر دیں تو انہیں ان کی بقیہ تنخواہیں ادا کی جائیں گی۔ لیکن عربوں نے اس پیغام کو بھی ٹھکرا دیا اور پوری قوت و جواں مردی سے شہر کا تحفظ کرتے رہے۔ جب انگریز شہر پر قبضہ کرنے سے عاجز آ گئے تو انھوں نے ۲۵ دسمبر کو ایک مرتبہ پھر نواب صدیق علی خان کے ذریعہ عربوں کے پاس صلح کا پیغام روانہ کیا۔ اس وقت نواب صدیق علی خان آپا صاحب کی عیاری سے تنگ آ کر انگریزوں کے حامی بن چکے تھے۔ انھوں نے اپنی حکمتِ عملی سے عربوں کو انگریزوں سے گفتگو کرنے پر رضامند کر لیا چنانچہ عربوں نے ۲۹ دسمبر کو "پیر زادہ" کو اپنا نمائندہ بنا کر انگریز ریذیڈنٹ جنگنس کے پاس بھیجا۔ اس سے ریذیڈنٹ نے یہ وعدہ کیا کہ وہ عربوں کو ان کی خواہش کے مطابق بقیہ تنخواہیں دے گا اور انہیں ان کے خاندان اور منقولہ املاک کے ساتھ پرامن فضا میں بحفاظت ناگپور سے رخصت کرے گا۔ اس صلح کے بعد ۳۰ دسمبر ۱۸۱۷ء کو عربوں نے جمعہ دروازہ کھول دیا اور وہ شہر کے باہر نکل آئے۔ انگریز فوج دن کے ڈھائی بجے شہر کے اندر داخل ہوئی اور اس نے راجہ رگھوجی بھوسلہ کے محل پر یونین جیک لہرا دیا۔ یوں بھوسلوں کی آزاد اور خود مختار حکومت کا سورج آپا صاحب بھوسلہ کے حرص و ہوس کے باعث ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ [۲۸]

عرب فوج کی واپسی :

انگریز ریذیڈنٹ نے عربوں سے جو وعدہ کیا تھا اس کے مطابق اس نے

عربوں کو ان کی بقیہ تمام تنخواہیں دیں اور ایک پلٹن انگریز فوج اور ایک انگریز افسر لفٹننٹ شیرف کی نگرانی میں انھیں معہ ان کے خاندان اور منقولہ املاک کے ناگپور شہر سے روانہ کیا۔ انھوں نے یکم جنوری ۱۸۱۸ء کو ناگپور کو خدا حافظ کہا اور آکولہ کے راستے سے ہوتے ہوئے ملکاپور (ضلع بلڈانہ) پہنچے۔ یہاں وہ دو گروہ میں منقسم ہوئے ایک گروہ نے حیدرآباد کی راہ لی اور دوسرے گروہ نے اپنا رخ مغربی خاندیش کی طرف کیا۔[۲۹] اس طرح سیتا بلڈی کی لڑائی کے بعد تقریباً پانچ ہزار عرب سپاہیوں کو اپنے خاندان اور منقولہ املاک کے ساتھ ناگپور چھوڑنا پڑا۔ اس واقعہ نے ناگپور کے مسلم معاشرے کی تاریخ کو بھی یکسر بدل دیا۔

فقط نام کا راجہ :

ناگپور شہر پر مکمل قبضہ ہو جانے کے بعد ریذیڈنٹ جنکنس اور آپا صاحب کے درمیان ۶ جنوری ۱۸۱۸ء کو جو معاہدہ ہوا اس نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ راجہ فقط نام کا راجہ رہ گیا اور پوری ریاست انگریزوں کے تابع چلی گئی۔ وہ اس طرح کہ ان کی رضامندی کے بغیر راجہ کو کوئی کام کرنے کا مجاز نہیں تھا۔ اس معاہدے کی شرائط حسب ذیل ہیں۔[۳۰]

۱۔ آپا صاحب گاول گڑھ اور نرنالا کے قلعے اور ان سے ملحق علاقے نیز سرگوجا اور جاسپور کی ریاست انگریزوں کو دے گا۔

۲۔ راجہ اس شخص کو اپنا دیوان مقرر کرے گا جس پر ریذیڈنٹ کو پورا اعتماد ہوگا۔

۳۔ راجہ اور اس کا خاندان انگریزی فوج کی نگرانی میں راج محل میں رہے گا۔

۴۔ راجہ اس انگریزی فوج کے اخراجات کی بقایہ رقم ادا کرے گا جو سب سیڈی

ایری سسٹم کے تحت ناگپور میں تھی۔

۵۔ راجہ حکومت کے وہ قلعے ہمیشہ انگریزوں کو دینے کے لیے تیار رہے گا جنہیں انگریز طلب کریں گے۔

۶۔ راجہ ان لوگوں کو انگریزوں کے حوالے کرے گا جنہوں نے لڑائی میں اس کی خلاف ورزی کی تھی۔

۷۔ سیتا بلڈی کی ٹیکری اور ریذیڈنسی کے اطراف انگریزوں کا مکمل قبضہ رہے گا۔

اس معاہدے کی رو سے نہ صرف جبلپور کے سرحدی علاقے، سیونی درگ، گاول گڑھ، چوراگڑھ، نرنالا، اور منڈلا کے قلعہ انگریزوں کے قبضہ میں چلے گئے بلکہ بھوسلوں کی شہہ رگ پر بھی انھوں نے بڑی چالاکی اور عیاری سے چھری رکھ دی۔

آپا صاحب بھوسلہ فرار:

معاہدے کے بعد ریذیڈنٹ نے ۹ جنوری ۱۸۱۸ء کو آپا صاحب کو تخت پر بیٹھنے اور شاہی محل میں قیام کرنے کا حکم دیا۔ لیکن تین ماہ بعد ہی وہ ۱۵ مارچ ۱۸۱۸ء کو پیشوا باجی راؤ سے انگریزوں کے خلاف سازش کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس مرتبہ ریذیڈنٹ نے اسے اپنی بے گناہی پیش کرنے کا موقع نہیں دیا اور اسے ۳ مئی ۱۸۱۸ء کو اس کے چند وفادار افسروں سمیت الہ آباد بھیج دیا۔ لیکن وہ ۱۳ مئی ۱۸۱۸ء کو راستے سے ہی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ پہلے اس نے مدھیہ پردیش کی مہادیو پہاڑی میں پناہ لی۔ پھر برہان پور، پنجاب، جے پور اور دیگر علاقوں میں پناہ گزیں ہوا۔ آخر میں اس نے جودھ پور میں سکونت اختیار کی وہیں ۱۵ جولائی

۱۸۴۰ء کو خستہ حالی اور بے کسی کے عالم میں اس کا انتقال ہوا۔ ۳۱ے

رگھوجی بھوسلہ ثالث کا دور:

آپا صاحب بھوسلہ کے بعد انگریز بھوسلہ حکومت پر بہت آسانی سے قبضہ کر سکتے تھے۔ اس کی مخصوص وجہ یہ تھی کہ رگھوجی بھوسلہ ثانی (ف: ۱۸۱۶ء) یا اس کے دو حقیقی بھائی وینکوجی (ف: ۱۸۱۱ء) اور کھنڈوجی عرف چمن باپو (ف: ۱۷۸۰ء) کے کوئی بیٹے نہیں تھے اور نہ ہی ان تینوں کے پوتے تھے۔ گویا مردوں میں تخت کا کوئی وارث ہی نہیں تھا۔ لیکن ریذیڈنٹ جنکنس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے گورنر جنرل لارڈ ہسٹنگز سے بذریعہ خط وکتابت اجازت لے کر رگھوجی ثانی کے حقیقی نواسے یعنی رگھوجی ثانی کی بیٹی بنو بائی گجر کے بیٹے باجی با کو تخت پر بٹھا دیا۔ یہی باجی با تاریخِ ناگپور میں رگھوجی بھوسلہ ثالث کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی تخت نشینی کی رسم ۲۶ جون ۱۸۱۸ء کو ادا کی گئی۔ ابھی اس کی عمر صرف دس سال کی تھی لہٰذا ریذیڈنٹ نے حکومت کے سارے انتظامات اپنے ہاتھ میں رکھے اور رگھوجی ثانی کی بیوہ رانی با کا بائی کو محل کے معاملات کا نگراں مقرر کیا۔ ۳۲ے

جنکنس نے انتظامِ حکومت اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی ناکارہ اور بے ایمان افسروں کو برطرف کر کے قابل اور دیانت دار افسروں کو مقرر کیا۔ زرعی اور عدالتی اصلاحیں کیں۔ شہر کی حفاظت کے لئے انگریز افسر کی نگرانی میں پولس فورس تیار کی اور بھوسلہ فوج کا قائد انگریز جنرل کو بنایا۔ ان تبدیلیوں سے چاروں طرف امن و امان قائم ہو گیا۔ معاشی پریشانیاں دور ہوئیں، خوش حالی کا دور آیا اور دور دور سے

لوگ تلاش معاش میں ناگپور آنے لگے۔

جنکنس نے صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ کم سن راجہ رگھوجی ثالث کی تربیت پوری دیانت داری سے کی۔ اس کو فارسی اور مراٹھی کی لائق اور قابل اساتذہ سے تعلیم دلوائی۔ اس کے اخلاق و کردار کو سنوارا اور اس میں ایک اچھے حکمران کی صلاحیت پیدا کی۔

جنکنس ۲۹ دسمبر ۱۸۲۶ء تک اپنے عہدے پر فائز رہا۔ اس اثنا میں اس نے جو بے مثال کارنامے انجام دیئے اس کی وجہ سے وہ اور رگھوجی دونوں عوام میں بے حد مقبول ہو گئے۔ ناگپور چھوڑنے سے پہلے اس نے انگریز افسروں اور کارکنوں کو بھوسلہ کے انتظام حکومت میں سے کم کرنا شروع کیا اور ان کی جگہ ایماندار ہندوستانیوں کا تقرر کیا۔ بعد کو اس کے جانشین ریذیڈنٹ وائلڈ نے ۱۳ دسمبر ۱۸۲۶ء کے ایک معاہدے کے تحت ۲۶ دسمبر ۱۸۲۹ء کو رگھوجی کو حکومت کے تمام اختیارات سونپ دیئے، جو اپنی وفات ۱۱ دسمبر ۱۸۵۳ء تک آزادی سے حکومت کرتا رہا۔ [۳۳]

میواتی مسلمانوں کی آمد:

رگھوجی ثالث کا زمانہ بڑا ہی پر امن اور خوش حال زمانہ تھا۔ یہ فتنہ و فساد اور جنگ و جدال سے بالکل پاک تھا۔ انگریز اس کی حکومت کے نگراں اور محافظ تھے اس لئے اس کے دور میں کسی فتنے کو سر اٹھانے کا موقع ہی نہیں ملا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے دور میں شہر کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہوا اور لوگ تلاش معاش میں یا تجارت کی غرض سے ناگپور آنا شروع ہوئے۔ ان نو وارد لوگوں میں میوات کے رہنے

والے مسلم شرفا اور اہل علم بھی شامل تھے جو انیسویں صدی کی دوسری دہائی کے آس پاس تلاشِ معاش میں ناگپور آئے اور راجہ رگھوجی بھونسلہ ثالث کی سرکار سے وابستہ ہوئے۔ میواتی مسلمانوں کی آمد و رفت کا یہ سلسلہ الحاقِ ناگپور تک ایک سا رنظر آتا ہے۔

دہلی کے جنوب میں واقع میوات کا علاقہ، ہریانہ کے ضلع گڑگاؤں، راجستھان کے ضلع الور اور بھرت پور اور یوپی میں متھرا کے کچھ حصہ پر مشتمل ہے اس علاقہ میں ریواڑی، جھجھر، پلول، پنگواں، ساکرس، تجارہ، ادجینہ جھاڑسہ، وغیرہ علاقے ایک ہی پٹی پر ہیں۔ اس پوری پٹی میں مسلم شرفا کے جو خاندان آباد تھے وہ قضا، افتا، اور احتساب کے علاوہ میر عدل اور نرخ نویس جیسے ممتاز عہدوں پر فائز تھے۔ یہ کوئی معمولی حیثیت کے لوگ نہیں تھے بلکہ انھوں نے علم دین کی زبردست خدمت بھی انجام دی تھی اور ان کی وجہ سے یہ علاقے علم و فضل کا گہوارہ بھی بنے۔ وہاں کے بعض بزرگوں نے میوات کے باشندوں میں تبلیغ اسلام کا فریضہ بھی انجام دیا اور ان کی کوششوں سے متعدد افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔

میوات میں ان کے خاندان کی آمد کا سلسلہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد (۱۲۱۱ء ۔ ۱۲۳۵ء) میں شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یہ لوگ ان علاقوں میں پھیل گئے۔

اس تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ناگپور میں آنے والے میواتی مسلمانوں کا تعلق اسی نسل سے تھا لہٰذا ان میں ان کے اسلاف کی ساری خوبیاں موجود تھیں وہ صاحبِ علم، متقی اور پرہیزگار تھے اور اپنے امور انتہائی دیانت داری اور ایمانداری سے انجام دیا کرتے تھے ان خوبیوں کے باعث وہ راجہ رگھوجی ثالث اور انگریز افسروں کی نگاہوں میں اس قدر مرخ

بس گئے کہ معزز اور ممتاز عہدوں پر سرفراز کئے گئے۔ انھیں انعام واکرام کے طور پر جو زمین ملی تھی اس پر انھوں نے اپنے رہنے کے لئے عظیم الشان حویلیاں تعمیر کروائیں۔ ان میواتی مسلمانوں نے اس عہد میں انتہائی باعزت اور خوشحال زندگی گزاری اور بعض گہرے نقوش بھی چھوڑے۔ ۳۴ھ

انتظام حکومت میں مسلمانوں کا حصہ:

ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ بھوسلہ راجہ غیر متعصب اور منصف مزاج تھے۔ یہی مزاج راجہ رگھوجی بھوسلہ ثالث کا بھی تھا۔ اس نے بلاتفریق مذہب وملت ہر ایک کو اپنے انتظام حکومت میں شریک کیا۔ اس سے مسلمان بھی محروم نہیں رکھے گئے بلکہ انھیں نہ صرف فوج میں جگہ اور منصب دیا گیا بلکہ شہری انتظامات کے اہم عہدے بھی عطا کئے گئے۔ یہاں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں سے انتخاب کرکے رگھوجی بھوسلہ ثالث کے انتظام حکومت سے وابستہ مسلمانوں کی فہرست ترتیب دی جاتی ہے تاکہ یہ اندازہ لگایا جاسکے کہ اس دور میں مسلم معاشرے کے افراد نے انتظام حکو میں کیا کردار ادا کیا۔ ۳۵ھ

غلام حسین ابن عبدالشکور		کامیشدار
اشرف حسین ابن غلام حسین		صوبیدار
صفدر حسین ابن غلام حسین		داروغہ
جعفر حسین ابن غلام حسین		کامیشدار
امداد حسین ابن اشرف حسین		صوبیدار
نواب قادر علی خان ابن نواب صدیق علی خان	ف: ۱۸۵۷	رسالدار

عبدالرحمٰن خان ابن مرحمت خان		جمعدار
تارا میاں ابن عبدالرحمٰن خان	ف: ۱۸۶۹ء	جمعدار
فیض محمد فیض ابن عبدالقادر	ف: ۱۸۶۵ء	فوجدار
سید محمد علی ابن سید لطیف علی	ف: ۱۸۴۹ء	جمعدار
سید عبدالعلی عادل ابن سید محمد علی	ف: ۱۸۹۴ء	نائب رسالدار
مہدی حسین		سرشتہ دار
نواب جمال الدین خان	ف: ۱۸۵۴ء	رسالدار
فیض الدین خان		دفعدار
نواز خان		جمعدار
محمد سبحان خان		جمعدار
گل محمد	ف: ۱۸۹۴ء	صوبیدار
محمد ناصر خان حشمت ابن محمد یوسف خان		رسالدار
میر عزیز ابن میر محمد یوسف	ف: ۱۸۵۷ء	۵۰۰ سواروں کے حاکم
محمد سعدالدین ابن قاضی قطب الدین		صوبیدار
محمد صلاح الدین ابن قاضی قطب الدین	ف: ۱۸۳۳ء	کوتوال شہر
غلام علی ابن قاضی قطب الدین		کوتوال شہر
سید غلام نبی غوری		جمعدار
حاجی نورالدین ابن قاضی سید محمد اشرف	ف: ۱۸۵۲ء	فوجدار
قاضی نجیب الدین ابن قاضی محمد عطا	ف: ۱۸۳۲ء	رسالدار
محمد رحیم الدین ابن قاضی نجیب الدین	ف: ۱۸۰۰ء	رسالدار
قاضی غلام محی الدین ابن قاضی نجیب الدین	ف: ۱۸۵۰ء	مسند قضا پر فائز تھے
غلام قادر ابن محمد اکبر	ف: ۱۸۵۲ء	فوج میں ملازم

محمد عبدالکریم ابن محمد اصغر	ف: ۱۸۳۴ء	فوج میں ملازم
محمد امین الدین ابن محمد فصیح الدین		اعلا عہدے پر فائز تھے
بخشی غلام حیدر ابن مفتی نورالحق		رسالدار
تفضل حسین ابن غلام محمد	ف: ۱۸۶۶ء	رسالدار
مفتی امام الدین ابن مفتی قطب الدین		تین سو روپے ماہانہ مشاہرہ پر ملازم
مفتی سراج الدین ابن مفتی قطب الدین	ف: ۱۸۷۰ء	تین سو روپے ماہانہ مشاہرہ پر ملازم
سید امداد علی ابن قاضی سید اشرف	ف: ۱۸۷۹ء	فوج میں ملازم
سید اولاد حسین ابن سید فرزند علی		فوج میں ملازم
غلام مصطفیٰ ابن فخرالدین	ف: ۱۸۶۷ء	فوج میں ملازم
تہور علی ابن جمال محمد	ف: ۱۸۵۴ء	فوج میں ملازم
غلام منصور ابن غلام مسعود		فوج میں ملازم
غلام مسعود ابن غلام محمد	ف: ۱۸۵۸ء	فوج میں ملازم
غلام نبی ابن غلام محمد	ف: ۱۸۷۶ء	فوج میں ملازم
غلام عسکری ابن صلاح الدین	ف: ۱۸۳۹ء	اعلا عہدے پر فائز
سید جعفر علی ابن خیرات علی		فوج میں ملازم
سید علیم الدین		فوج میں ملازم
سید محمد علی		فوج میں ملازم
غلام کریم		وکیل رانی باکا بائی
سید ابراہیم		وکیل رانی باکا بائی
قاضی محمد فصیح الدین ابن قاضی محمد عطا		فوج میں ملازم

عرب الدین		فوج میں ملازم
حکیم یادگار حسین ابن سید عبدالحسین	ف: ۱۸۵۲ء	دربارِ شاہی سے وابستہ
حکیم عنایت علی خان ابن طرّے باز خاں		دربارِ شاہی سے وابستہ
حکیم فاضل خان		دربارِ شاہی سے وابستہ
حکیم عبدالحکیم		دربارِ شاہی سے وابستہ
حکیم مولوی عبدالقادر		دربارِ شاہی سے وابستہ
حکیم سکندر		دربارِ شاہی سے وابستہ
حکیم سیّد احمد		دربارِ شاہی سے وابستہ

ان کے حالات بابِ مشاہیر میں دیکھئے۔

ناگپور کا الحاق :

رگھوجی ثالث نے ۴۷ سال کی عمر میں ۱۱ دسمبر ۱۸۵۳ء کو رحلت فرمائی۔ اس کو بھی کوئی اولاد نہیں تھی چنانچہ انگریز ریذیڈنٹ منسل نے حکومت اور محل کے انتظامات کے سارے اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور شہر میں ہر طرف فوج کا سخت پہرہ لگا دیا۔ اس ماحول میں رگھوجی ثانی (ف: ۱۸۱۶ء) کی بیوہ رانی باکابائی (ف: ۷ دسمبر ۱۸۵۸ء) نے حکومت کے اختیارات کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے بے حد کوششیں کیں۔ اس نے رگھوجی ثالث کے ایک قریبی رشتے دار ترمبک جی عرف نانا اہیر راؤ کے ۱۸ سالہ بیٹے لیشونت راؤ اہیر راؤ کو گود لینے کی اجازت مانگی۔ وہ غیر شادی شدہ تھا اور فارسی اور مراٹھی زبان کی لیاقت رکھتا تھا۔ لیکن گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے اس کو گود لینے کی اجازت نہیں دی اور مسئلہ الحاق کے تحت ۱۳ مارچ ۱۸۵۴ء کو ناگپور کو انگریزی حکومت میں شامل

کر کے منسل کو ہی یہاں کا کمشنر مقرر کر دیا۔ ۴۶ے

اس اعلان کے ساتھ ناگپور میں بھوسلہ حکومت کا چراغ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے گُل ہو گیا۔

۱۸۵۷ء کی بغاوت میں مسلمانوں کا کردار :

ہندوستان میں انگریزوں کے مسلسل بڑھتے ہوئے فاتحانہ قدم اور ان کی ظالمانہ پالیسیوں نے ہندوستانیوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت کی آگ لگائی اور ۱۸۵۷ء کے آتے آتے چربی لگے ہوئے کارتوسوں نے اس آگ کو شعلے میں تبدیل کر دیا۔ ہوا یہ کہ نئی رائفلوں کے کارتوسوں پر چربی لگا ہوا کاغذ منڈھا ہوا تھا جس کو استعمال کرنے سے پہلے دانت سے کاٹنا پڑتا تھا۔ اسی اثنا میں چند مثالیں ایسی سامنے آئیں جن سے یہ معلوم ہوا کہ یہ چربی سور اور گائے کی تھی۔ اس سے ہندوستانی سپاہیوں کے مذہبی جذبات بھڑک اٹھے۔ انھوں نے ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کر کے کئی افسروں کو قتل کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے اثرات دور دور تک پھیل گئے۔ پھر اس بغاوت نے بہت جلد ایک نئی کروٹ لی اور وہ جنگِ انقلاب میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے بعد تمام ہندوستانی سپاہیوں، جاگیرداروں اور زمینداروں نے مغل شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کی اطاعت کا اعلان کیا یوں وہ ہندوستان کی وحدت کی علامت بن گیا۔ اس لئے اس بغاوت کو تاریخ میں آزادی کی پہلی جنگ کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

جب ناگپور میں ان واقعات کی خبریں پہنچیں تو یہاں بھی بغاوت کی کوششیں شروع ہوئیں۔ اس کا آغاز کامٹی سے ہوا۔ اس زمانے میں کامٹی میں کچھ مدراسی

پلٹن تھیں ۔ ان میں گھوڑے سواروں کی ایک پلٹن ، پیدل سپاہیوں کی ایک پلٹن اور کچھ توپ خانہ بھی شامل تھا۔ گھوڑے سواروں کی پلٹن میں ناگپور کے مسلمانوں کی خاصی تعداد تھی ۔ اسی طرح پیدل سپاہیوں میں اکثر ہندوستانی تھے چنانچہ ان میں سب سے پہلے بغاوت کے آثار نمایاں ہوئے لیکن ناگپور کے سپاہیوں میں کوئی حرکت نہ دیکھ کر وہ خاموش رہے ۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ ناگپور کے سپاہی انگریز کمشنر اور دیگر اعلا افسروں کے اچانک قتل کا ، اسلحہ اور توپ خانے پر قابض ہونے کا اور سیتا بلڈی کے قلعہ پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے ۔ جب اس سازش کی بھنک انگریز افسروں کو لگی تو انھوں نے کافی باریکی سے حالات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ لیکن اس کی جڑیں اتنی رازداری سے کامٹی تک پھیلی ہوئی تھیں کہ اس کا سراغ لگانا ان کے لئے ناممکن ہو گیا ۔

اس زمانے میں ناگپور کا کمشنر پلوڈن تھا ۔ جو ہمیشہ کی طرح حالات سے بے خبر تھا لیکن ڈپٹی کمشنر آر ایس ایلیس (R.S. Ellis) کافی چوکنا تھا لیکن چونکہ وہ کچھ عرصہ پہلے ہی آیا تھا اس لئے اس کو یہاں کے لوگوں کے بارے میں مکمل معلومات نہیں تھیں ۔

اگرچہ ناگپور کے سپاہیوں اور شہر کی چند مقتدر شخصیتوں نے ۱۳ جون ۱۸۵۷ء کو کمشنر کے بنگلہ اور سیتا بلڈی کے قلعہ پر اچانک حملہ کرنے کا ایک منظم منصوبہ تیار کر لیا تھا لیکن ۱۲ جون کی رات میں ہی فیض بخش اور اس کے بیٹے نے ایک مشہور انگریز اسٹیفن ہسلاپ کو اس کے بنگلہ پر جا کر اس سازش کی خبر دے دی ۔ دراصل فیض بخش کا بیٹا ہسلاپ کی اسکول میں طالبعلم رہ چکا تھا اور اس کو اس سے دلی ہمدردی تھی ۔ اس نے ہسلاپ کو بیوی بچوں سمیت بمبئی منتقل ہونے کا پُرخلوص مشورہ دیا تھا ۔ یہ خبر ملتے ہی ہسلاپ نے پلوڈن اور

ایلس کو اس سازش سے آگاہ کیا۔ جس کی وجہ سے وہ پوری طرح حرکت میں آ گئے
فیض بخش کو اس وفاداری کے صلہ میں فوراً کوتوالِ شہر کا عہدہ ملا۔
منظم منصوبے کے تحت ۱۳ جون (۱۸۵۷ء) سنیچر کو رات کے تقریباً دس بجے
مشن ہائی اسکول کے پاس، موتی باغ میں شہر کے تقریباً چار سو مسلمان جمع
ہوئے اور ٹاکلی کی جانب سے آنے والے سپاہیوں کی راہ دیکھنے لگے۔ ٹاکلی
کے سپاہی بھی اپنے گھوڑوں کو تیار کر کے بیٹھے تھے اور اس دفعدار کے
منتظر تھے جس کو انھوں نے پیدل سپاہیوں کی طرف انھیں آگاہ کرنے
کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اس دفعدار کو ایک مدراسی حوالدار نے
شک کی بنیاد پر پکڑ لیا اور ڈرا دھمکا کر سارا راز معلوم کر لیا۔
اس راز کے فاش ہوتے ہی اسی مدراسی حوالدار نے فوراً اعلا افسران کو خطرے
سے آگاہ کیا۔ جب انگریزوں کو حقیقت کا علم ہوا تو ان کے لوگوں میں بھگدڑ مچ
گئی انھوں نے اپنی عورتوں کو کامٹی روانہ کر دیا اور وہاں سے ناگپور کے لئے فوجی
مدد طلب کی۔ کچھ انگریز بھی کامٹی بھاگ گئے اور کچھ نے سیتا بلڈی کے قلعہ
میں پناہ لے کر توپوں سے قلعہ کی گھیرا بندی کر لی۔ جب باغی سپاہیوں کو اپنی
سازش کا پردہ فاش ہو جانے کی خبر موصول ہوئی تو ان کی ہمت پست ہو گئی۔
یوں ۱۳ جون کو کمشنر کے بنگلہ اور سیتا بلڈی کے قلعہ پر ان کا اچانک حملہ کرنے
کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔
اس واقعہ کے دوسرے ہی دن ۱۴ جون کو کامٹی سے فوجی مدد آ گئی۔ اب
کمشنر نے اس سازش میں ملوث افراد کا پتہ لگانے کے لئے فیض بخش،
تفضل حسین اور دبیر و بابو بنگالی کی مدد لی۔ ان تینوں افسران پر کمشنر کو
اعتماد تھا۔ انھوں نے سازش میں شریک لوگوں کو تلاش کر کے گرفتار کیا۔
سپاہیوں نے شہر کے تمام لوگوں کی خانہ تلاشی لے کر ہتھیار ضبط کئے۔ اس

سے شہر میں ہر طرف دہشت پھیل گئی۔ جو لوگ سازش کے الزام میں گرفتار کیے گئے
تھے ان میں سے نواب قادر علی خان ولد نواب صدیق علی خان، اکبر علی خان ولد محمد
سعدالدین، ولایت حسین خان ولد صفدر حسین، بنیاد علی رسالدار، یوسف خان وردی
میجر، محی الدین حسین جمعدار، دلدار خان (دفعدار)، عنایت اللہ خان اور ایک
ہندو سپاہی واگل جمعدار کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا دیا گیا۔ ان کی مشترکہ قبر
سیتا بلڈی کے قلعہ میں آج بھی محفوظ ہے۔

اس بغاوت کی سازش میں صرف مسلمان سپاہی اور جاگیردار ہی شریک تھے۔ اگرچہ
مرہٹوں میں بھی بے چینی تھی اور ان کے کئی گروہ کسی رہنمائی کی تلاش میں شہر میں گھوم
رہے تھے لیکن رگھوجی بھوسلہ ثانی کی بیوہ رانی باکا بائی نے ان کو اپنے محل میں
بلا کر یہ نصیحت کی کہ کوئی کسی بھی قسم کا ہنگامہ نہیں کرے گا۔ اس نے کچھ خصوصی
لوگوں کو اپنے محل میں روزانہ حاضری دینے کا حکم بھی دیا اور یہ دھمکی بھی دی کہ جو
بغاوت میں شریک ہوگا اسے انگریز افسران کے ہاتھوں گرفتار کرا دوں گی، چاہے
وہ میرا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اگر اس وقت باکا بائی بغاوت کرنے کا ذرا بھی
اشارہ کر دیتی تو ناگپور شہر پوری طرح اس کی لپیٹ میں آجاتا۔ باکا بائی کے
اس برتاؤ کی وجہ سے بعد کو انگریزوں نے یشونت راؤ اہیر راؤ (جانوجی بھوسلہ ثانی)
کو درگا بائی کا بیٹا تسلیم کر کے اسے راجہ کے خطاب سے سرفراز کیا۔

انگریزوں نے سازش میں ملوث افراد کو نہ صرف پھانسی دی بلکہ ان کی املاک و
جاگیر کو بھی ضبط کر لیا۔ شہر میں خوف و دہشت کی فضا قائم کرنے کے لیے
سیکڑوں لوگوں کو حراست میں لیا۔ گھر گھر تلاشی لی۔ خصوصاً مسلمانوں کو بے انتہا
پریشان کیا۔ لیکن جن لوگوں نے اس بغاوت کو کچلنے اور اسے ناکام بنانے میں
انگریزوں کی مدد کی تھی انہیں زبردست انعام و اکرام سے نوازا گیا۔
فیض بخش اور تفضل حسین کو کافی انعام و اکرام اور جاگیریں ملیں۔ کامٹی کے

سیٹھ بنسی لال ابیر چند اور ناگپور کے سیٹھ تیج رام کو رائے بہادر کے خطاب سے نوازا گیا اور سونے کا کڑا انعام میں دیا گیا۔ ان دونوں نے بغاوت کے ایام میں انگریزوں کو زبردست مالی مدد دی تھی۔ اسی طرح کامٹی کے ایک شخص ناگنا نائیڈو کو بھی انعام سے نوازا گیا اور اسے راجہ کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ اس نے بھی انگریزوں کی مدد کی تھی۔ یوں اپنوں کی غداری سے ناگپور میں ہونے والی بغاوت ناکام ہو کر رہ گئی اس کے جوش و جذبات صرف مسلمانوں تک ہی محدود تھے۔

مسلم معاشرے پر اثرات :

ناگپور کے الحاق (۱۸۵۴ء) اور ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی ناکامی کے بعد ناگپور میں رونما ہونے والے واقعات کا مسلم معاشرے پر گہرا اثر ہوا۔ اس گردش زمانہ کی وجہ سے نہ صرف ناگپور کی مسلم آبادی میں زبردست کمی واقع ہوئی بلکہ وہ مسلم خاندان جو یہیں کے ہو کر رہ گئے تھے بعد کو وہ خوشی حاصل نہ کر سکے جو انھیں عہد بھوسلہ میں میسر تھی۔

چوں کہ صرف مسلمان ہی بغاوت کی سازش میں شریک تھے اس لئے انگریزوں نے کئی نامور مسلم امرا اور جاگیرداروں کی املاک کو ضبط کیا اور اس طبقہ کے لوگوں پر کڑی نظر رکھی۔ پھر بھوسلہ عہد میں مسلمانوں کو جو سہولتیں میسر تھیں وہ انگریزی دور میں انھیں نہ مل سکیں۔ اس صورت حال سے مجبور ہو کر کئی خاندان اپنے وطن مالوف کی طرف لوٹ گیا اور بعض نے آزاد مسلم ریاست حیدرآباد اور بھوپال میں سکونت اختیار کی۔ ان واقعات کے ساتھ مسلم معاشرے کی اس تاریخ کا اختتام ہوتا ہے جس نے ناگپور میں اسلامی تہذیب و تمدن اور ثقافت و مدنیت کا بیج ڈالا تھا اور اسے ایک سایہ دار درخت میں تبدیل کیا تھا۔

حواشی :

۱؎ ناگپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۶۶ء (انگریزی) ص: ۵۷، ۷۳۳
چھندواڑہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۰۷ء (انگریزی) ص: ۲۹
ناگپورکر بھوسلیانچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۱۴

۲؎ چھندواڑہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۰۷ء (انگریزی) ص: ۲۸
آئینِ اکبری جلد دوم (مطبوعہ منشی نولکشور) ص: ۱۰۹ (فارسی)
آئینِ اکبری جلد اوّل، حصہ دوم مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (اردو) ص: ۹۱۵
ناگپورکر بھوسلیانچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۱۳، ۴۰۵

۳؎ بادشاہ نامہ جلد اول (حصہ دوم) از عبدالحمید لاہوری مطبوعہ ایشیاٹک
سوسائٹی بنگال (۱۸۶۷ء) ص: ۱۱۰، ۱۱۱

۴؎ ناگپور نگر سنستھا شتابدی گرنتھ مطبوعہ ۱۹۶۴ء (مراٹھی) ص: ۱۴ (کھنڈ ایک)

۵؎ مآثرِ عالمگیری از محمد مستعد خان ساقی (مترجم فدا علی طالب) مطبوعہ جامعہ
عثمانیہ حیدرآباد (۱۹۳۳ء) ص: ۱۹۳، ۲۳۸
منتخب اللباب (حصہ سوم) از خافی خان (مترجم محمود احمد فاروقی)
مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی، جون ۱۹۶۳ء، ص: ۸۰۴

۶؎ چھندواڑہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر، مطبوعہ ۱۹۰۷ء (انگریزی) ص: ۲۹
ناگپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر، مطبوعہ ۱۹۶۶ء (انگریزی) ص: ۵۷

۷؎ ناگپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر، مطبوعہ ۱۹۶۶ء (انگریزی) ص: ۵۷، ۷۳۳
چھندواڑہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۰۷ء (انگریزی) ص: ۲۹
ناگپورکر بھوسلیانچا اتہاس، مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۱۴
ناگپور ہنڈریڈ ایئر اگو بائی این ایس پانڈے (انگریزی مضمون مطبوعہ ناگپور

ٹائمز مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۷۶ء) ص: ۳

سم رومنس آف اولڈ ناگپور بائی این بی ناگرکر (انگریزی مضمون) مطبوعہ
ناگپور ٹائمز مورخہ ۴ جون ۱۹۷۶ (حصہ میگزین)

۸ے ماہنامہ سب رس حیدرآباد اگست ۱۹۷۲ء

۹ے چھندواڑہ ڈسٹرکٹ گزٹیئر مطبوعہ ۱۹۰۷ء (انگریزی) ص: ۳۰
ناگپور کربھو سلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۱۵، ۴۴
ناگپور ڈسٹرکٹ گزٹیئر مطبوعہ ۱۹۶۶ء (انگریزی) ص: ۵۸
ناگپور نگر سنستھا شتابدھی گرنتھ مطبوعہ ۱۹۶۴ء (مراٹھی) ص: ۵، ۴۲، ۴۴

۱۰ے ناگپور کربھو سلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۴۴، ۴۵

۱۱ے ناگپور کربھو سلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۴۵، ۴۶، ۵

۱۲ے چھندواڑہ ڈسٹرکٹ گزٹیئر مطبوعہ ۱۹۰۷ء (انگریزی) ص: ۳۱
ناگپور کربھو سلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۱۵، ۴۵، ۶۲، ۶۳
ناگپور ڈسٹرکٹ گزٹیئر مطبوعہ ۱۹۶۶ء (انگریزی) ص: ۶۷

۱۳ے ناگپور کربھو سلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۴۶

۱۴ے ناگپور کربھو سلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۱۹۰، ۱۹۳

۱۵ے اردو مخطوطات (جلد اوّل) از نصیر الدین ہاشمی مطبوعہ مطبع ابراہیمیہ
حیدرآباد (۱۹۶۱ء) ص ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴
ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر از ڈاکٹر شرف الدین ساحل مطبوعہ
ملٹی پرنٹ بمبئی (۱۹۹۳ء) ص: ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰

۱۶ے ناگپور کربھو سلیا نچا اتہاس (مراٹھی) مطبوعہ ۱۹۷۹ء، ص ۴۱ تا ۶۸
ناگپور ڈسٹرکٹ گزٹیئر مطبوعہ ۱۹۶۶ء (انگریزی) ص: ۶۵ تا ۶۸

تاریخِ ناگپور از ڈاکٹر شرف الدین ساحل مطبوعہ ۱۹۸۳ء (اردو) ص: ۶۸ تا ۷۴

۱۷ے ناگپور کر بھوسلیانچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۶۰، ۶۷

۱۸ے تذکرہ رحمانی مولفہ محمد مہتاب خان مطبوعہ ۱۹۵۸ء (اردو) ص: ۲۰

۱۹ے سنٹرل میوزیم ناگپور (سنٹری والوم) مطبوعہ ۱۹۶۴ (انگریزی) ص: ۱۳۶

۲۰ے ناگپور کر بھوسلیانچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۱۹۲

۲۱ے بھوسلہ رگھوجی سکنڈ آف ناگپور بائی ڈاکٹر آر کے ددبے مطبوعہ ایس ایم ایس
لیٹر پریس، پونے نمبر ۴ (انگریزی) ۱۹۷۹ء، ص ۲۲۳ تا ۲۲۶
ناگپور ریذیڈنسی ریکارڈ، والوم وَن، مرتبہ ایچ این سنہا مطبوعہ
گورنمنٹ پریس ناگپور (انگریزی) ۱۹۵۰ء، ص: ۱۰۹

۲۲ے ناگپور ریذیڈنسی ریکارڈ، والوم وَن (انگریزی) ص: ۱۷۱

۲۳ے تاج الاقبال از شاہجہانی بیگم مطبوعہ مطبع نظامی کانپور (۱۸۷۲ء)
ص: ۱۷، ۲۳ تا ۲۸

بھوسلہ رگھوجی سکنڈ آف ناگپور بائی ڈاکٹر آر کے ددبے، ص: ۱۴۰، ۱۴۳،
۱۴۴، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۹، ۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۸۸، ۲۱۳
ناگپور کر بھوسلیانچا اتہاس (مراٹھی) ۲۰۷، ۲۵۱، ۲۵۶، ۲۶۵، ۲۷۱، ۲۷۴

۲۴ے بھوسلہ رگھوجی سکنڈ آف ناگپور، مطبوعہ ۱۹۷۹ء (انگریزی) ص: ۹۰

۲۵ے ناگپور کر بھوسلیانچا اتہاس (مراٹھی) ص: ۲۶۴ تا ۲۷۰

۲۶ے ناگپور کر بھوسلیانچا اتہاس (مراٹھی) ص: ۲۷۴

۲۷ے ناگپور کر بھوسلیانچا اتہاس (مراٹھی) ص: ۲۸۴

۲۸ے ناگپور کر بھوسلیانچا اتہاس (مراٹھی) ص: ۲۸۹، ۲۹۰

۲۹ے ناگپور کر بھوسلیانچا اتہاس (مراٹھی) ص: ۲۹۱
بیٹل آف سیتابلڈی بائی این ایس پانڈے
(انگریزی مضمون مطبوعہ ناگپور ٹائمز ناگپور مورخہ ۴ فروری ۱۹۷۹ء)

۳۰؎ ناگپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر (انگریزی) مطبوعہ ۱۹۶۶ء، ص: ۹۶
ناگپور کربھوسلیا نچا اتہاس (مراٹھی) مطبوعہ ۱۹۷۹ء، ص: ۲۹۲
۳۱؎ ناگپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر (انگریزی) مطبوعہ ۱۹۶۶ء، ص: ۹۷
ناگپور ریذیڈنسی ریکارڈ، والوم فورتھ، بائی ایچ این سنہا (انگریزی)
۱۹۵۴ء، ص: VIII
۳۲؎ ناگپور کربھوسلیا نچا اتہاس (مراٹھی) مطبوعہ ۱۹۷۹ء ص: ۲۳۴، ۳۲۵
ناگپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر (انگریزی) مطبوعہ ۱۹۶۶ء، ص: ۹۸
۳۳؎ ناگپور کربھوسلیا نچا اتہاس (مراٹھی) مطبوعہ ۱۹۷۹ء، ص ۳۲۵ تا ۳۲۸
۳۴؎ تفصیلات کے لئے دیکھئے حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن
مطبوعہ لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ، ۱۹۸۳ء
۳۵؎ یہ فہرست مندرجہ ذیل مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی مدد سے تیار کی گئی ہے۔
ناگپور کربھوسلیا نچا اتہاس (۱۹۷۹ء)
ناگپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر (۱۹۶۶ء)
ناگپور ریذیڈنسی ریکارڈ جلد پنجم (۱۹۵۷ء)
جیش المضامین (قلمی)، از عادل ناگپوری
دیوان تاریخات (قلمی)، از عادل ناگپوری
حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن (۱۹۸۳ء)
۳۶؎ ناگپور کربھوسلیا نچا اتہاس (مراٹھی) مطبوعہ ۱۹۷۹ء، ص: ۳۴۴ تا ۳۴۶
لارڈ ڈلہوزیز ایڈمنسٹریشن بائی ایم اے رحیم (انگریزی) مطبوعہ ۱۹۶۳ء، ص ۲۳۵
۳۷؎ مجموعہ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۷۰
ناگپور کربھوسلیا نچا اتہاس (مراٹھی) مطبوعہ ۱۹۷۹ء، ص: ۳۵۶ تا ۳۶۰

مسلم معاشرہ

آبادی، معاشرت اور تہذیب و تمدن کی روشنی میں

اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ایک تاریخی سچائی ہے۔ اس تناظر میں مسلم معاشرے کی تصویر صاف نظر آتی ہے۔ اس حقیقت میں دو رائے نہیں ہے کہ اٹھارویں صدی کے آغاز میں ایک نومسلم گونڈ راجہ بخت بلند شاہ نے ناگپور شہر کی بنیاد ڈالی اور اسے ۱۷۰۶ء میں اپنی حکومت دیوگڑھ (اسلام گڑھ) کا صدر مقام بنایا یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جہاں سے ناگپور میں مسلم معاشرے کی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔

آبادی (آثار و نشانات):

بخت بلند شاہ (ف: ۱۷۰۹ء) اور اس کے بیٹے چاند سلطان (ف: ۱۷۳۵ء) کے دور میں ناگپور ایک چھوٹا سا خوبصورت فصیل بند شہر تھا۔ اس فصیل بند شہر کا سب سے اہم اور عالی شان دروازہ جمعہ دروازہ تھا۔ یہ شہر کی مغربی سمت میں تھا۔ اس دروازے کے مدمقابل کچھ فاصلے پر ایک وسیع و عریض تالاب تھا جو جمعہ تالاب کے نام سے موسوم تھا۔ اس تالاب کی آخری سرحد

سیتابلڈی کی ٹیکری سے ملی ہوئی تھی ۔

فصیل بند شہر کے مشرق میں موجودہ نواب پورہ کی طرف بھنڈارہ دروازہ اور چٹنویس پورہ کی طرف امریڑ دروازہ تھا۔ جبکہ شمال میں چٹنویس پارک کے آگے بدھوار دروازہ اور شمال مشرق کونے پر اتوارہ دروازہ تھا۔ اسی طرح جنوب میں تلسی باغ اور ناگ ندی کی طرف تلسی باغ دروازہ اور بھوتیہ دروازہ تھا۔ ان دروازوں کے علاوہ اس فصیل بند شہر میں چند بڑی بڑی کھڑکیاں بھی تھیں۔ عہدِ گونڈ میں یہی ناگپور شہر کی سرحد تھی۔ اس فصیل بند شہر کا وجود ۱۸۱۷ء کی سیتابلڈی کی لڑائی تک نظر آتا ہے۔

گونڈ عہد میں :

اس دور (۱۷۰۰ء سے ۱۷۳۵ء تک) میں جو مسلمان ناگپور آئے وہ اسی فصیل بند شہر میں آباد ہوئے۔ چنانچہ اس وقت مسلمانوں کی آبادی گونڈ راجہ جاٹبا کے تعمیر کردہ قلعہ کے اندر اور اس کے باہر تھی۔ اسی دور میں قلعہ کے اندر واقع شاہی مسجد اور فصیلِ شہر کے باہر تھوڑے فاصلے پر جنوب مغربی سمت میں گاڑی خانے میں جمعہ مسجد تعمیر ہوئی۔ مسجد پتھر پھوڑ بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ یہ بدھوار دروازے کے قریب واقع ہے۔ اسے ان مسلم مزدوروں نے تعمیر کیا تھا جو فصیل کی تعمیر میں استعمال ہونے والے پتھروں کو تراشنے کے لئے ناگپور آئے تھے۔ ان میں مذکورہ مساجد کے علاوہ جمعہ دروازہ اور نصف جمعہ تالاب آج بھی قائم ہے اور اپنی تاریخ کو تازہ کرتا رہتا ہے ۔

قلعہ کے اندر اور محل کے علاقہ میں جن بزرگوں کے پختہ مزارات ہیں ان میں سے چند اسی زمانے کے ہیں۔ ایک مزار کوتوالی کے قریب چوک پر حضرت علی شاہ کی ہے۔ یہ اپنے دور کے مشہور بزرگ تھے۔ گونڈ راجگان اور تمام بھوسلہ راجہ

ان کے عقیدت مند تھے۔ وہ اس مزار کی پابندی سے زیارت کرتے تھے۔

بھوسلہ عہد میں :

رگھوجی اول کو ۱۷۴۳ء میں ایک سند کے تحت دیوگڑھ حکومت کے جو علاقے انعام کے طور پر ملے ان میں ناگپور بھی شامل تھا۔ یہاں سے بھوسلہ عہدِ حکومت کا آغاز ہوتا ہے۔ اس عہد میں ۱۷۴۳ء سے سیتابلڈی کی لڑائی (۱۸۱۷ء) تک رگھوجی اول (ف : ۱۷۵۵ء) جانوجی (ف: ۱۷۷۲ء) مودھاجی (۱۷۸۸ء) رگھوجی ثانی (ف : ۱۸۱۶ء) پرسوجی (ف : ۱۸۱۷ء) اور آپا صاحب (معذول ۱۵ مارچ ۱۸۱۸ء) کو مسلسل لڑائیوں سے واسطہ رہا اس لئے انھوں نے اپنی فوج کو انتہائی مستحکم بنایا اور اس میں ہندوؤں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی بھرپور نمائندگی دی۔ ان کے غیر متعصبانہ طرزِ عمل سے ناگپور کے مسلم معاشرے کو بے حد تقویت ملی اور اس کی آبادی میں کثرت سے اضافہ ہوا۔ تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ رگھوجی ثانی کی فوج میں پانچ ہزار سے زائد مسلم سپاہی شریک تھے۔ ان میں سے زیادہ تر سپاہی ٹیپو سلطان کی شہادت (۱۷۹۹ء) کے بعد ریاست میسور سے نقلِ مکانی کر کے ناگپور آئے تھے اور بھوسلہ فوج سے وابستہ ہوئے تھے۔

محل :

ان مسلم سپاہیوں میں سے بیشتر کے مسکن فصیل بند شہر میں جمعہ دروازہ کے شمالی حصے میں تھے۔ ان کے مکانات کا یہ سلسلہ باڑے کی صورت میں دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ۹۳ ے

اس کا رگھوجی ثانی نے شہر کی حفاظت کے نقطہ نظر سے خود اہتمام کیا تھا۔

محل کے علاقہ میں واقع مسجد جمعہ دروازہ، مسجد نجم الدین، مسجد گوٹو میاں اور مسجد الف الدین اسی زمانے میں تعمیر ہوئیں۔ مسجد الف الدین کا سالِ تعمیر ۱۷۹۶ء ہے۔ یہ بات اس کتبہ سے معلوم ہوتی ہے جو مسجد کے صدر دروازے پر نصب ہے۔ ان مسجدوں کے اطراف امرا کے مکانات بھی تھے جن میں حاجی عبدالشکور کا خاندان میر عزیز کا خاندان، گوٹو میاں کا خاندان اور الف الدین کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

سیتابلڈی :

اسی دور میں اندورہ، شکر درہ اور سیتابلڈی میں بھوسلہ راجاؤں نے فوجی چھاؤنی قائم کی۔ ان میں سیتابلڈی کی فوجی چھاؤنی میں مسلم سپاہی رہا کرتے تھے۔ جب کہ شکر درہ اور اندورہ کی چھاؤنی مرہٹہ سپاہیوں کے لئے مخصوص تھی۔ سیتابلڈی چھاؤنی کی وجہ سے سیتابلڈی میں مسلمان آباد ہونا شروع ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ ایک بڑے حصے میں پھیل گئے۔ اس علاقے کی مسلم آبادی کو دو بار اس قدر شدید جھٹکا لگا کہ اب وہ سمٹ کر چند مکانوں پر مشتمل رہ گئی ہے۔ پہلا جھٹکا اس وقت لگا جب انگریزوں نے سیتابلڈی کی لڑائی (۱۸۱۷ء) کے بعد اس چھاؤنی کو منہدم کروایا اور ریذیڈنسی کی حدود کو وسیع کیا۔ اس واقعہ کے بعد یہاں کی بیشتر مسلم آبادی منتشر ہوگئی۔ دوسرا جھٹکا ۱۹۴۷ء میں لگا جب مسلمانوں نے ترکِ وطن کر کے پاکستان کی راہ لی۔

سیتابلڈی میں واقع حافظ فیض خان کی مسجد، مسجد سیتابلڈی، ریذیڈنسی کی عمارت (موجودہ ناگپور مہاودیالیہ کی قدیم عمارت) کے پیچھے واقع تار آفس کی مسجد اور اس کے صحن کی پختہ مزاریں اور میٹھا نیم شریف کی مزار اسی عہد کی یادگاریں ہیں۔ تاریخ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ۱۸۱۷ء سے پہلے

سیتابلڈی کی ٹیکری پر مسلم قبرستان تھا [۱۴۱]

اسی ٹیکری پر عیدین کی نماز کا اہتمام کیا جاتا تھا، لیکن ۱۸۱۷ء کی سیتابلڈی کی لڑائی کے بعد جب اس ٹیکری پر انگریزوں کا تسلط ہوگیا تو اسے فوجی چھاؤنی میں تبدیل کر دیا گیا۔

اسی طرح سیتابلڈی کی ٹیکری کی جنوبی سمت میں، ریذیڈنسی کی عمارت کے سامنے ڈاکٹر مختار احمد انصاری روڈ کے کنارے (گولی پورہ) مسلمانوں کا ایک بہت بڑا قبرستان تھا۔ اس میں پتھروں کی متعدد عالیشان پختہ قبریں تھیں۔ اب اس قبرستان کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔ اس قطعۂ زمین پر غیر مسلموں نے مکانات تعمیر کر لئے ہیں۔

مسلمانوں کو جاگیریں :

اس عہد میں جو مسلمان ناگپور میں آباد تھے ان میں فنِ حرب کے ماہرین اور علوم و فنون کے کاملین دونوں شریک تھے۔ بھوسلہ راجاؤں نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی۔ خصوصاً رگھوجی ثانی نے انھیں فصیل بند شہر کے باہر ان کی عالیشان رہائش گاہ کے لئے انعام واکرام کے طور پر کافی زمینیں دیں۔

اس لحاظ سے نواب پورہ، حسن باغ، عرب کا باڑہ (بھوتیہ دروازہ) جوہری پورہ بھالدار پورہ اور تکیہ دیوان شاہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ نواب پورہ اور حسن باغ کا علاقہ رگھوجی ثانی نے اپنے نامور اور جاں باز سپہ سالار نواب صدیق علی خان کو دیا تھا۔ عرب کے باڑے کا علاقہ عادل ناگپوری کے والد سید محمد علی کو ملا تھا اور بھالدار پورہ صادق منو بھالدار کو عطا کیا گیا تھا۔ ان کو راجہ کا تقرب حاصل تھا اور اس دور میں کافی عروج ملا تھا۔ اسی طرح تکیہ دیوان شاہ اس زمانے کے سلسلۂ مداریہ کے ایک جید بزرگ سجن گلزار

کو ملا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی لوگوں کو جاگیریں اور زمینیں ملی تھیں۔ جن میں الف الدین، قاضی خاندان اور میر عزیز کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے سید محمد علی، قاضی خاندان، سجن گلزار اور میر عزیز کے نام لیوا آج بھی اپنی بچی ہوئی جائداد کے ساتھ ناگپور میں موجود ہیں۔ نواب پورہ، بھالدار پورہ، قاضی پورہ، عرب کا باڑہ، اور تکیہ دیوان شاہ آج بھی اپنے اصل نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

شہر کا پھیلاؤ :

رگھوجی بھوسلہ ثانی کے عہد میں مسلم آبادی دیگر آبادی کے ساتھ ساتھ فصیل بند شہر کو عبور کر کے میدانی علاقوں تک پہنچی۔ چنانچہ نواب پورہ، عرب کا باڑہ (بھوتیہ دروازہ) جوہری پورہ، کرنل باغ، بھالدار پورہ، جلال پورہ اور قاضی پورہ وجود میں آئے۔ یہ تمام علاقے فصیل بند شہر سے ملحق تھے۔ ان میں اس زمانے میں کثیر تعداد میں مسلمان آباد تھے۔ سجن گلزار کا تکیہ دیوان شاہ اور میر عزیز کی جاگیر فصیل بند شہر سے کافی فاصلے پر واقع تھی، اب ان علاقوں میں گنجان آبادی ہے اور ان میں سے بعض میں کثرت سے مسلمان آباد ہیں۔

مساجد :

اس دور میں مسلم آبادی کے ارتقائی عمل کے ساتھ ساتھ خدا کی عبادت و بندگی کے لئے جو مسجدیں تعمیر ہوئیں ان میں نواب پورہ کی مسجد، بدو خان کا منارہ چٹنویس پارک کی مسجد، عطر والوں کی مسجد (نزد جمعہ دروازہ) اور مسجد تکیہ دیوان شاہ قابلِ ذکر ہیں۔ بدو خان کا منارہ مسجد ۱۸۱۴ء کے آس پاس تعمیر ہوئی۔ اسی اثنا میں نواب پورہ کی مسجد بھی وجود میں آئی۔

۱۸۱۷ء کے بعد :

جیسا کہ تاریخ میں ہے کہ سیتا بلڈی کی لڑائی ۱۸۱۷ء کے بعد تقریباً پانچ ہزار عرب سپاہیوں کو اپنے اہل وعیال اور اپنی منقولہ جائداد کے ساتھ ناگپور چھوڑنا پڑا تھا۔ اس واقعہ نے ناگپور کے مسلم معاشرے کی تاریخ کو یکسر بدل دیا۔ وہ اس طرح کہ مسلم آبادی میں اس انقلاب کی وجہ سے اچانک زبردست کمی واقع ہوئی۔ بس اس وقت دکن سے آنے والے چند مسلم خاندان ہی ناگپور میں بچ گئے تھے۔ ان میں کچھ اہلِ علم اور اہلِ باطن کے علاوہ نواب صدیق علی خان، عبدالشکور، سید محمد علی، مولوی فرحت اللہ، میر ببر علی اور امام خان کے خاندان نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کی دو وجہ تھی اول یہ کہ ان میں سے بیشتر سپاہی پیشہ نہیں تھے۔ دوسری یہ کہ جو سپاہی پیشہ تھے انھوں نے سیتا بلڈی کی لڑائی میں عملی حصہ نہیں لیا تھا۔

میواتی مسلمان :

اسے حسنِ اتفاق کہیے کہ مسلم آبادی میں واقع ہونے والی یہ کمی زیادہ عرصہ تک برقرار نہ رہ سکی اس لئے کہ جب رگھوجی ثالث کا دور (۱۸۱۸ء-۱۸۵۳ء) شروع ہوا تو ناگپور میں میواتی مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور وہ دس پندرہ سال کے عرصے میں نہ صرف مسلم معاشرے کا موثر حصہ بن گئے بلکہ ریاست کے ہر شعبے پر بھی چھا گئے۔ انھیں راجہ نے ان کی لیاقت اور صلاحیت کی بنیاد پر اپنی فوج اور اپنے انتظامِ حکومت میں بھرپور نمائندگی دی۔ بعض کو معزز اور ممتاز عہدوں پر بھی سرفراز کیا۔

ہنسا پوری :

رگھوجی ثالث کا زمانہ بہت ہی پرامن زمانہ تھا۔ وہ انگریز ریذیڈنٹ کی نگرانی میں حکومت کر رہا تھا۔ پھر اس کی حکومت کی حفاظت کی ذمے داری سب سیڈی ایری سسٹم کے معاہدے کے تحت انگریزوں پر تھی، اس لئے اسے جنگ وجدل سے کبھی واسطہ ہی نہیں پڑا۔ ان حالات کی وجہ سے شہر میں ہر طرف خوش حالی آئی اور یہاں لوگوں کو روزگار کے مواقع فراہم ہوئے۔ اس سے ناگپور کی آبادی میں زبردست اضافہ ہوا۔ شہر پھیل کر اس قدر وسیع ہوا کہ مشرق میں نواب پورہ اور جوتی منگواری، مغرب میں جمعہ تالاب، شمال میں ہنسا پوری اور لینڈرا تالاب اور جنوب میں ناگ ندی اس کے حدود اربعہ قرار پائے۔ ۴۲ گویا تیس پینتیس سال کے اس عرصے میں آبادی فصیل شہر اور جمعہ تالاب کے شمالی حصہ میں تیزی سے پھیلی۔ یہ وہ حصہ ہے جسے ۱۸۶۴ء کے سرکاری نقشہ میں ہنسا پوری ڈویژن بتایا گیا ہے۔ اس نقشہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ موجودہ حالت کے اعتبار سے بھگوا گر چوک، مومن پورہ چوک، گولی بار چوک، فوارہ چوک، چٹنویس پارک چوک، بھالدار پورہ، سنٹرل اوینو اور بجریا کی حدود کا درمیانی علاقہ اس ڈویژن میں شامل تھا۔ اس عہد میں جو مسلمان ناگپور آئے وہ اسی ڈویژن میں آباد ہوئے۔ ان کو رہائش گاہ، عبادت گاہ اور تدفین کے لئے راجہ رگھوجی ثالث نے اسی ڈویژن میں کافی زمینیں بھی عطا کیں۔ چنانچہ منشی محمد سعد الدین اور منشی محمد صلاح الدین کو موجودہ جامع مسجد مومن پورہ کے اطراف کا ایک بڑا علاقہ ملا جو اس زمانے میں جھجھر باغ کے نام سے مشہور تھا۔ اسی طرح منشی غلام علی کو موجودہ مسجد اہلحدیث کے اطراف کا علاقہ اور حکیم عنایت علی خان کو موجودہ حیدری روڈ مومن پورہ کے کنارے کا علاقہ ملا۔

صوبیدار گل محمد کو شمس گرلس ہائی اسکول گانجہ کھیرت کے اطراف کا علاقہ اور امام خان کے بیٹے فاضل خان کو نعل صاحب کا علاقہ دیا گیا وہ رگھوجی ثالث کے حقہ بردار تھے۔ اسی زمانے میں بھالدار پورہ کا کچھ حصہ حکیم یادگار حسین کو عطا کیا گیا۔

قبرستان :

ضرورت کے پیش نظر اس ڈویژن میں جو قبرستان وجود میں آئے ان کے نام ہیں: تکیہ نواز شاہ (نزد گیتا نجلی ٹاکیز) تکیہ محبوب شاہ (قصاب پورہ) تکیہ لکڑ شاہ (نزد حیدری مسجد) تکیہ معصوم شاہ، تکیہ بفات بائی، تکیہ پیر بخش (نزد حفیظ بیکری) تکیہ غریب شاہ (دار السلام اسٹریٹ مومن پورہ) اور مسلم قبرستان مومن پورہ۔ تکیے کی یہ زمینیں بھی راجہ کی عطا کردہ تھیں۔ اس نے ہر تکیہ پر ایک شخص کو نگراں مقرر کیا تھا، جو تکیہ دار کہلاتا۔

مساجد :

اس دور میں جو مسجدیں تعمیر ہوئیں ان میں مسجد میر فیض (سنٹرل ایونیو) مسجد جونا جیل خانہ بڑی مسجد (مومن پورہ) چھوٹی مسجد (مومن پورہ) مسجد تکیہ محبوب شاہ اور مسجد بوریا پورہ نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ عیدگاہ مومن پورہ بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ اسے گونڈ راجہ رحمٰن شاہ نے نمازِ عیدین کے لئے وقف کیا تھا۔

آج ہنسا پوری ڈویژن میں ہی مسلمانوں کی گنجان آبادی ہے۔ مسلم قبرستان مومن پورہ کے علاوہ بقیہ تمام قبرستان (تکیہ) کا وجود ختم ہو چکا ہے۔ ان پر مسلمانوں کے مکانات تعمیر ہو چکے ہیں۔ بس کہیں کہیں شکستہ قبروں

کے آثار نظر آتے ہیں۔ بعض مزاروں کو ان کے عقیدت مندوں نے پختہ بنوا دیا ہے۔ اور ان کے فرضی نام بھی رکھ دیئے ہیں مثلاً سید شاہ بابا، پہلوان شاہ بابا۔ بعض مزاریں واقعی برگزیدہ ہستیوں کی ہیں، لیکن وہ گمنام ہیں، بعض ایسی بھی ہیں جو صاحبِ مزار کے اصل نام سے پچھلی صدی سے مشہور ہیں مثلاً جلال شاہ بابا، (تکیہ معصوم شاہ) شمس الدین گونی والے (تکیہ دیوان شاہ) اور دادا پیر (تکیہ بفات بائی) وغیرہ۔ تکیہ بفات بائی کا علاقہ خدا رسیدہ بزرگوں کا قبرستان معلوم ہوتا ہے۔

پارڈی :

رگھوجی ثالث نے ۱۸۲۸ء میں ہنگنا کی فوجی چھاؤنی کو ختم کر کے پارڈی کے علاقہ میں ایک نئی فوجی چھاؤنی قائم کی۔ اس کا نام مہاراج گنج چھاؤنی تھا۔ اس میں بھی مسلم سپاہیوں کی خاصی تعداد تھی۔ اس کی وجہ سے اس علاقہ میں ۱۸۲۸ء کے بعد ایک بڑا مسلم معاشرہ وجود میں آیا۔ اسی زمانے میں یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر ہوئی۔ یہ مسجد آج بھی قائم ہے۔ اور پارڈی کی مسجد کہلاتی ہے۔ اس دور میں پارڈی میں دو مسلم قبرستان تھے۔ ایک تکیہ مجنوں شاہ اور دوسرا تکیہ گھنگرو شاہ ان دونوں قبرستان کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ ناگپور کے الحاق (۱۸۵۴ء) کے بعد جب مہاراج گنج چھاؤنی اجڑی تو اس کے شدید اثرات یہاں کے مسلم معاشرے پر پڑے۔ اس علاقہ کے بیشتر مسلمان تلاشِ معاش میں دوسری ریاستوں میں جا بسے اور کچھ نے شہر میں سکونت اختیار کر لی۔ پارڈی میں آج بھی چند مسلم خاندان آباد ہیں ان میں سے دو تین خاندان قدیم ہیں۔

۱۸۵۴ء کے بعد :

ان تفصیلات کی روشنی میں گونڈ اور بھوسلہ عہد میں مسلم آبادی کے علاقے نمایاں نظر آتے ہیں. ان میں سے بعض علاقوں میں عہد بھوسلہ کے بعد اتنی تیزی سے آبادی بڑھی کہ وہ مسلم معاشرے کے لئے ہی مخصوص ہو کر رہ گئے. ایسے علاقوں میں بھالدار پورہ ، جونا جیل خانہ ، مومن پورہ اور نعل صاحب اہمیت رکھتے ہیں.
ناگپور کے مسلم معاشرے میں سیتا بلڈی کی لڑائی (۱۸۱۷ء) کے بعد دوسرا انقلاب الحاق ناگپور (۱۸۵۴ء) کے بعد آیا. بھوسلہ حکومت کا چراغ گل ہوتے ہی اس تغیر و تبدل کا آغاز ہوا. وہ مسلم امرا ، شرفا ، حکما اور دانشور جو بھوسلہ دربار سے وابستہ تھے تلاش معاش میں نقل مکانی کر کے بھوپال اور حیدرآباد میں جا بسے. متعدد خاندانوں نے اپنے وطن مالوف کی طرف ہجرت کی. ان میں میواتی مسلمان پیش پیش نظر آتے ہیں. دستاویزات کی روشنی میں نقل مکانی کا یہ سلسلہ انیسویں صدی کے اختتام تک دکھائی دیتا ہے.
عادل ناگپوری نے زمانے کی اس گردش کو اپنے مجموعۂ کلام خزائن الاشعار (۱۸۵۴ء) کے دیباچہ میں خوبصورتی سے نظم کیا ہے. ۴۳

دوستو اب سنو مرا کچھ حال — پیش امضائے مدت یک سال
جمع رہتے تھے بزم میں احباب — ہوتا ہر باب میں سوال و جواب
آشنا رات دن ملا کرتے — چرچے ہر قسم کے رہا کرتے
تھا کبھی مشق تیر اندازی — گہہ سواری ترکی و تازی
گاہ ذکر مسائل دینی — گاہ اذکار خیر حق بینی
گاہ افسانۂ جدید و کہن — گاہ شغل کتاب و شعر و سخن
پڑھنا اشعار تازہ گل بہ محل — لکھنا ہر فرد کا غزل بہ غزل
عین اس موسم بہار میں آہ — ہوئی واقع مصیبت جاں کاہ

لٹ گیا حیف باغ دولت کا ہو گیا گل چراغ دولت کا
بتقاضائے لازم خور و آب منتشر ہو گئے تمام احباب
تفرقہ آگیا جماعت میں نہ رہا کوئی بھی رفاقت میں
ہوا ابتر وہ کنجِ فائق عیش طے ہوا وہ بساطِ سابق عیش
جبکہ شیرازہ وا ہو دفتر کا کیوں نہ ہووے ورق ورق جدا

تیسرا انقلاب ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی ناکامی کے بعد رونما ہوا۔ اس میں متعدد مسلم امرا اور جاگیرداروں کی املاک کو انگریزوں نے ضبط کیا اور ان پر مظالم ڈھائے جس سے مجبور ہو کر بعض خاندان نقلِ مکانی پر مجبور ہو گئے۔ لیکن اس گردشِ وقت کے باوجود بھی ۱۸۶۶ء کی مردم شماری کے مطابق ناگپور میں دس ہزار مسلمان آباد تھے۔ سر دے رپورٹ دیکھئے۔ ۴۴

کل آبادی	۸۵۶۶۱
برہمن آبادی	۱۷۴۱۳
مسلم آبادی	۱۰۰۰۰
کوشٹی آبادی	۸۶۴۲
کنبی آبادی	۷۲۷۱
مرہٹہ آبادی	۶۴۵۳
یوروپین آبادی	۴۵۶
پارسی آبادی	۱۰

حصولِ معیشت کے ذرائع

گونڈ اور بھوسلہ عہد کے مسلم معاشرے میں تجارت اور صنعت و حرفت کا کوئی وجود نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عہد میں جو مسلمان ناگپور آئے

ان میں کثرت سے سپاہی اور ملازم پیشہ تھے ۔ وہ یا تو راجہ کی فوج سے وابستہ تھے یا پھر انتظام حکومت کے مختلف شعبوں میں ملازم تھے ۔ انھیں ان کی رہائش کے لئے راجہ نے کافی زمینیں عطا کی تھیں ۔ ان کی تنخواہیں بھی معقول تھیں لہٰذا انھوں نے انتہائی خوشحال زندگی گزاری اور اپنے ساتھ اپنے ان غیر مسلم ملازمین کو بھی خوشحال رکھا جو ان کے یہاں نوکر تھے ۔

اس دور میں حصول معیشت کے دیگر ذرائع میں زراعت ، حکما کے مطب اور درس تدریس کی خدمت تھی ۔ مسلم امرا ، و شرفا کے اطراف شہر میں بڑے بڑے باغات اور کھیت تھے ۔ بعض خاندان کا انحصار ان کی آمدنی پر تھا ۔ اس کا ثبوت ۱۸۶۴ء کے ناگپور کے نقشہ سے فراہم ہوتا ہے ۔ یہ نقشہ ناگپور نگر سنستھا شتابدی گرنتھ (مراٹھی) ۱۹۶۴ء میں شامل ہے ۔ اس میں شہر کے اطراف میں جن اہم باغات کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں محمد علی کا باغ (گنگا جمنا کے مغربی حصہ میں) ، علی نواز کا باغ (پارڈی روڈ کے کنارے) اور علی انور کا باغ (پارڈی روڈ) نمایاں نظر آتا ہے ۔ اسی طرح عادل ناگپوری کا ایک بہت بڑا کھیت بوتی (بوٹی بوری ناگپور) میں تھا ۔ دیگر امرا و شرفا کے بھی بڑے بڑے کھیت بھنڈارہ روڈ ، امریڑ روڈ ، امراوتی روڈ اور ورگھا روڈ کے کنارے تھے ۔

حکیم یادگار حسین ، حکیم عنایت علی خان ، حکیم فاضل خان ، حکیم عبدالقادر حکیم سکندر ، حکیم سید احمد اور حکیم مرزا حسین علی عرف رسولی حکیم وغیرہ وہ حکما تھے جن کے شہر میں بڑے بڑے مطب تھے ۔ وہ اس مطب سے اپنی روزی روٹی فراہم کرتے تھے ۔ حکیم یادگار حسین کا مطب بھالدار پورہ میں تھا جبکہ عنایت علی خان کا مطب موجودہ حیدری روڈ مومن پورہ کے کنارے تھا ۔ ان دونوں مطب کے آثار آج بھی موجود ہیں ۔

اس دور میں چند ایسے بھی تھے جو معلم پیشہ تھے۔ وہ شرفا اور امرا کے بچوں کو عربی فارسی اور اردو کی تعلیم دے کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ پھر برگزیدہ بزرگوں کو گونڈ راجہ اور بھوسلہ راجہ کی طرف سے پنشن ملا کرتی تھی۔ وہ اس پر اطمینان و سکون سے گزارا کرتے تھے۔ بعض بزرگوں کی کفالت کی ذمے داری مسلم امرا اور شرفا نے لے رکھی تھی۔

غرض کہ گونڈ اور بھوسلہ عہد کا مسلم معاشرہ معاشی اعتبار سے بہت ہی خوش حال تھا اور انھیں مرہٹہ حکمراں کی سرپرستی میں معیشت کے بہترین مواقع فراہم تھے۔

تحصیل علم کے ذرائع

گونڈ اور بھوسلہ عہد میں جو مسلمان ناگپور میں آباد تھے، ان میں صرف سپاہی یا ملازم پیشہ ہی نہیں بلکہ صاحب علم اور صاحب بصیرت بھی تھے۔ اس زمانے میں عموماً یہی علماء نجی طور سے شرفا، امرا اور عام لوگوں کو اپنے گھروں میں عربی، فارسی اور اردو کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ بعد کو چند اسکول بھی قائم ہوئے جن میں طلبہ اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کرتے۔ اس زمانے کے تعلیمی ماحول کا تذکرہ کرتے ہوئے ریذیڈنٹ رچرڈ جینکنس اپنی ۱۸۲۷ء کی ایک رپورٹ میں لکھتا ہے۔[۴۵]

> "ناگپور شہر میں ۱۰۲ اساتذہ ہیں۔ ان میں عام اسکول کے اساتذہ، پرائیوٹ اساتذہ، اور بلا معاوضہ تعلیم دینے والے مولوی شامل ہیں۔
>
> شہر میں عام اسکول کی تعداد ۴۶ ہے۔ ان میں ۴ اسکول مراٹھی کے، ۳ اسکول ناگری کے، ۲ اسکول فارسی کے

اور ایک اسکول مراٹھی + ہندوستانی (فارسی رسم الخط)
کا ہے۔
ان اسکولوں میں طلبہ کی کل تعداد ۹۲۶ ہے۔ ان میں ۶۲۴
مراٹھی سیکھنے والے طلبہ، ۲۲ فارسی سیکھنے والے طلبہ ۱۳۹
ناگری سیکھنے والے طلبہ اور ۵۱ مراٹھی + ہندوستانی (فارسی
رسم الخط) سیکھنے والے طلبہ ہیں۔
ان کے علاوہ ۱۵۱ اساتذہ ایسے ہیں جو طلبہ کو نجی طور سے بلا معاوضہ
تعلیم دے رہے ہیں۔ ایسے اساتذہ میں ۱۲۳ اساتذہ شاستر
اور وید سکھاتے ہیں۔ ۲۸ اساتذہ فارسی کی تعلیم دیتے
ہیں۔ ۴ اساتذہ عربی زبان پڑھانے کا فریضہ انجام دیتے
ہیں اور ایک تیلگو پڑھاتا ہے۔
ان اساتذہ کے یہاں کل ۳۲۳ طلبہ تعلیم حاصل کر رہے
ہیں ان میں ۱۵۹ وید اور شاستر کے ۲۶ فارسی کے،
۳۳ عربی کے اور ۵ تیلگو کے طالبعلم ہیں۔ اس طرح عام
اور مخصوص اسکولوں میں طلبہ کی کل تعداد ۲۵۹ ہے۔
ان کے علاوہ نجی طور سے تعلیم دینے والے اساتذہ بیشتر
مسلمان ہیں۔ وہ فقط عربی اور فارسی کی تعلیم دیتے ہیں۔
امیر، عزت دار، شریف اور عام مسلمانوں کے گھروں
میں تعلیم دینے کا فریضہ مولوی صاحبان انجام دیتے ہیں"

جنکنس نے یہ رپورٹ سپریم گورنمنٹ آف انڈیا کو ناگپور سے روانہ کی تھی۔
اس رپورٹ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس زمانے میں ناگپور
میں فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کا دوار دو کی تعلیم حاصل کرنے کا ایک

باضابطہ اسکول تھا ان اسکولوں میں فارسی کے ۱۲۲ اور اردو کے ۵۱ طلبہ زیر تعلیم تھے۔ اس کے علاوہ اس وقت شہر میں ۲۸ ایسے اساتذہ موجود تھے جو نجی طور سے طلبہ کو فارسی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ اسی طرح ۱۴ اساتذہ نجی طور سے عربی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان اساتذہ سے ۲۶ طلبہ فارسی کی اور ۳۳ طلبہ عربی کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی مولوی نجی طور سے تعلیم دیتے تھے۔ یہ رگھوجی بھوسلہ ثالث (۱۸۱۸ء-۱۸۵۳ء) کا دور تھا اور اس وقت یہاں مسلمان اچھی خاصی تعداد میں آباد ہوتے چلے گئے تھے۔ اس دور میں شہر کی حدود کو کافی وسعت ملی لہٰذا یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ بھوسلہ دور کے اختتام (۱۸۵۴ء) تک اس تعداد میں خاصہ اضافہ ہوا ہوگا۔

اس دور میں ناگپور میں جو مسلمان آباد تھے ان کا تعلق دکن اور میوات کے علاقوں سے تھا۔ وہ صاحب علم اور دور اندیش تھے۔ ان کی فارسی، عربی اور اردو کی استعداد بہت اچھی تھی وہ ملازم پیشہ تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی نسل کی تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ دی اور اس زمانے کے مروجہ علوم کو ناگپور میں موجود علمائے کرام کی مدد سے اپنی نسلوں کو دیانت داری سے سکھایا۔

کتابوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس زمانے میں ناگپور میں حافظ عبدالبلاتی حافظ شیخ احمد، حافظ پیراں، حافظ محمد پناہ، حافظ نور محمد خان، حافظ ولی خاں، حافظ محمد عثمان، مولوی عبدالحفیظ خان رامپوری، حاجی حافظ غلام رسول عگین (۱۸۷۱ء) فیض محمد فیض) (ف: ۱۸۶۵ء) سید عباس علی شہرت (ف: ۱۸۸۸ء) مولوی عمادالدین زیب (ف: ۱۸۳۲ء) سید احمد قادری (ف: ۱۸۵۷ء) شاہ حسن (ف: ۱۸۱۷ء) صوفی محمد ابراہیم (ف: ۱۸۵۹ء) عبدالسلام (ف: ۱۸۲۱ء) معین الدین نخری

(ف: ۱۸۵۶ء) مولانا سید محمد قادری (ف: ۱۸۶۰ء) شاہ محی الدین بادشاہ (ف: ۱۸۷۰ء) اور سید محمد ذکریا (ف: ۱۸۴۹ء) جیسے حفاظ، جید علماء اور صاحب بصیرت بزرگ موجود تھے۔ انھی ہستیوں نے خلوص و ایمانداری سے درس و تدریس کا فریضہ انجام دیا ہے۔

عادل کے ایک خط سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اس دور میں ناگپور کی فوجی چھاؤنی مہاراج گنج پارڈی میں مدرسہ رسولہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم تھا۔ اس مدرسہ میں غلام رسول غمگین اور فیض محمد فیض جیسے جید علما بھی درس دیا کرتے تھے۔ عادل نے اسی مدرسے سے تعلیم حاصل کی تھی۔

ان تفصیلات سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی کی ابتدا سے الحاق ناگپور (۱۸۵۴ء) تک ناگپور میں درس و تدریس کا مکتبی طریقہ رائج تھا اور یہاں کا مسلم معاشرہ حفاظ اور علمائے کرام سے اکتساب علم کیا کرتا تھا۔ مکتب کے یہ اساتذہ عربی، فارسی اور اردو کی وہی کتابیں طلبہ کو پڑھاتے جو اس زمانے میں اس ملک میں ہر جگہ رائج تھیں۔

معاشرتی اور تہذیبی جھلکیاں :

وسط ہند کا قدیم علاقہ گونڈوانہ حدود اربع کے لحاظ سے بہت وسیع تھا۔ اس کے شمال و جنوب میں جبلپور اور تلنگانہ اور مشرق و مغرب میں ست پڑا کی پہاڑی اور چھتیس گڑھ کا علاقہ تھا۔ گویا ناگپور کا علاقہ انھی حدود میں شامل قدیم گونڈوانہ کا ایک حصہ تھا۔

یہ مکمل علاقہ سترہویں صدی عیسوی کے اختتام تک جنگلی قبائل گونڈ، بھیل کولی، کورکو وغیرہ کی آماجگاہ تھا اس لئے تہذیبی و تمدنی لحاظ سے اس کی اپنی کوئی تاریخ نہیں تھی۔ ان قبائل میں گونڈوں کی آبادی کثیر تھی۔ وہ دیگر قبائل

قبائل کے مقابلہ میں کچھ زیادہ شعور مند تھے لہٰذا ان کے چند طاقتور خاندانوں نے اس علاقے میں اپنی علاحدہ علاحدہ حکومتیں قائم کر کے تاریخی حیثیت حاصل کرلی تھی ان میں گڑھا، منڈلا، چاندہ اور دیوگڑھ حکومت کو نمایاں مقام حاصل تھا۔

گونڈوں کی زندگی :

لیکن عام گونڈوں کی زندگی بہت ہی سادہ تھی۔ وہ غربت و افلاس کا بری طرح شکار تھے۔ تہذیب و تمدن سے بالکل ناآشنا تھے وہ غریبی کی گود میں جنم لیتے اور اسی حال میں موت کی آغوش میں سو جاتے۔ جنگلوں اور کھیتوں میں خوف و دہشت کی فضا میں گزارا کرتے اور کبھی خونخوار درندوں اور شیروں کی خوراک بنتے۔ ان کی زندگی کی مکمل عکاسی ان کے لوک گیتوں میں بڑے موثر اور جذباتی انداز سے ملتی ہے۔ دیوندر ستیارتھی نے ان کے اس قسم کے سات لوک گیتوں کو اردو میں منتقل کیا ہے، دیکھئے۔[۴۶]

درختوں کے درمیان میں بنسری بجاتا ہوں۔
لیکن کون پرواہ کرتا ہے اس غریب بن باسی کی
نہ میری ماں ہے، نہ بھائی، نہ کوئی یار دوست دنیا بھر میں
دن بھر میں بنسری بجاتا ہوں۔
درختوں کے درمیان میں بنسری بجاتا ہوں
میری ایک ماں ہے، بھائی بھی، اور کچھ یار دوست بھی جو
میرے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہیں
لیکن ان میں سے ایک بھی اس غریب بن باسی کی مدد نہیں کرتا
ایک بیل کی چھاؤں میں کوئی بیٹھا ہے

اسے بچھو کاٹتا ہے اور وہ روتا ہے
کون پرواہ کرتا ہے بن باسیوں کی
درختوں کے درمیان میں بنسری بجاتا ہوں

۲ -
ہائے کیسے بھروں گا اس سال اپنے بچوں کے پیٹ ؟
فصل دھوکا دے گئی
لگان تو ادا کر ہی سکتا ہوں ، ہل بیچ کر ، بیل بیچ کر
لیکن کیسے بھروں گا اس سال اپنے بچوں کے پیٹ ؟

۳ -
باہر مینہ برستا ہے
گھر کے اندر ایک لڑکی بیٹھی رو رہی ہے

۴ -
ہمارے گاؤں کا زمیندار بہت غریب ہو گیا ہے
اس نے اپنی بہن کو بیچ دیا ہے اور ایک دھوتی خرید لی ہے

۵ -
ماہی گیر کے گھر ایک بیٹے نے جنم لیا ہے .
سر پر جال رکھے ہوئے
"سنگنی" مچھلی "دھر دھر" رو رہی ہے
ہائے میری جان کا ایک دشمن پیدا ہو گیا

۶ -
شیروں سے بھرپور ہے یہ جنگل ، ہم کیسے بچیں گے ؟
وہ ایک شیر سے ملتا ہے اور کہتا ہے

یہی لکھا ہے میری قسمت کی پوتھی میں
کہ میں مارا جاؤں
شیروں سے بھرپور ہے یہ جنگل ہم کیسے بچیں گے ؟
تنگ پہاڑی درے میں .
درے میں جہاں کیچڑ کی بھرمار ہے
شیروں کے نقشِ پا دکھائی دیتے ہیں
شیروں سے بھرپور ہے یہ جنگل ، ہم کیسے بچیں گے
.
خوش حال آدمی خوشی کا نغمہ گاتا ہے
مگر غمگین آدمی ، غم کے سُر چھیڑتا ہے
کیسے بتا سکتا ہوں میں اپنی زندگی کے غم
انھیں تو صرف خدا ہی گن سکتا ہے
گھر سے آتی ہوئی آوازیں سن کر تم معلوم کر سکتے ہو
کہ وہاں کوئی غم ہے یا خوشی

اسلامی تہذیب و تمدن کا پہلا بیج :

ان حالات میں ایک نو مسلم گونڈ راجہ بخت بلند شاہ نے اٹھارویں صدی کے آغاز میں گونڈوانہ کے وسط میں واقع ناگپور کی سرزمین پر اسلامی تہذیب و تمدن کا پہلا بیج ڈالا۔ ایک فصیل بند شہر کی تعمیر کا آغاز کیا۔ مسجد بنوائی اور زراعت کو سرسبز و شاداب بنانے میں دلچسپی لی۔ بعد کو اس کے بیٹے چاند سلطان نے جمعہ دروازہ ، جمعہ تالاب اور جمعہ مسجد بنوائی اور اپنے والد کے ادھورے کام کی تکمیل کی۔

ناگپور بھی یقیناً حیدرآباد، لکھنؤ، رام پور اور بھوپال کی طرح ایک مثالی مسلم ریاست ہوتی۔ لیکن ہوا یہ کہ اس کے وجود میں آنے کے ۳۵ سال بعد ہی راجہ برہان شاہ کے عہد میں ایک مرہٹہ سردار رگھوجی بھوسلہ کے ہاتھوں میں پُر امن اور برادرانہ ماحول میں اقتدار منتقل ہوگیا اس طرح یہ علاقہ دو تہذیب و تمدن کا ایک حسین سنگم بن گیا۔ راجہ رگھوجی بھوسلہ اپنے ابتدائی زمانے میں چاند سلطان کی فوج میں ملازم رہ چکا تھا۔ اس کے اخلاف ۱۸۵۳ء تک ناگپور پر حکمراں رہے۔

راجہ بخت بلند شاہ (بانی ناگپور) ایک قابل، لائق اور دور اندیش حکمراں تھا وہ مغلیہ حکومت کی شان و شوکت اور اسلامی تہذیب و تمدن کے جلوے متواتر نو سال تک اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا لہٰذا اس نے شہر ناگپور کو اسی انداز سے نکھارنے اور سنوارنے کی حتی المقدور کوشش کی اور اپنی حکومت کو ترقی دینے میں اس قدر دلچسپی لی کہ وہ مرہٹہ راجاؤں کی آئندہ ترقی کی تمہید بن گئی۔ چنانچہ انگریز ریذیڈنٹ سر رچرڈ جنکنس اس کی ان خوبیوں کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ؎۴۷

"بخت بلند نے یکسانیت اور باقاعدگی لانے کے لئے لائق مسلمانوں اور ہندوؤں کو بلا تفریق مذہب و ملت اپنی حکومت کے کاروبار میں شریک کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چاروں طرف کے جفاکش اور محنتی لوگوں نے گونڈوانہ کی راہ لی جس کے باعث ہزاروں گاؤں آباد ہوئے۔ یہی وہ دور ہے جبکہ اس علاقے میں زراعت، صنعت اور تجارت نے خوب ترقی کی اور یہ حقیقت ہے کہ آئندہ مرہٹوں کو نظام حکومت میں جو کامیابی نصیب ہوئی وہ بخت بلند شاہ

کے حسنِ انتظام و انصرام ہی کی مرہونِ منت تھی"

بھوسلہ عہد کے مسلمان :

بخت بلند شاہ اور اس کے بیٹے چاند سلطان کے بعد ناگپور میں اسلامی تہذیب و تمدن کو ان مسلمانوں نے فروغ دیا جو عہد بھوسلہ میں دکن اور شمالی ہند سے فکرِ معاش میں ناگپور آئے اور یہاں آباد ہو گئے۔ یہاں انھوں نے اپنی رہائش کے لئے بڑے عالیشان مکانات تعمیر کئے، مسجدیں بنوائیں، قبرستان (تکیہ) کی بنیاد ڈالی، کنویں کھدوائے اور باغات لگائے۔ انھوں نے اپنی تہذیب و تمدن کے جو نقوش بنائے تھے بعد کو انھی نقوش پر ایک زبردست مسلم معاشرہ وجود میں آیا جو آج تک ناگپور کی آبادی کا ایک موثر اور ناقابلِ فراموش حصہ ہے۔ انھیں مسلمانوں کی وراثت اور ملکیت پر اب مسلمانوں کی اس قدر گنجان آبادی قائم ہے کہ وہ انھی کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئی ہے۔ بھالدار پورہ، جونا جیل خانہ، مومن پورہ، نعل صاحب، تنظیم (اتواری) اس کی سب سے زیادہ روشن مثال ہے۔

طرزِ معاشرت :

مسلمانوں کی قدیم آبادی کے آثار و نشانات بتاتے ہیں کہ اس زمانے میں امرا و شرفا کے مکانات پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ ہزار اسکوائر فٹ بلکہ اس سے بھی کہیں زائد علاقے پر مشتمل تھے۔ ان عالیشان مکانات میں دیوان خانہ، مہمان خانہ، باورچی خانہ، کنواں، باغ، سب کچھ ہوتا۔ یہ فانوس، شمعدان، قالین اور غالیچے سے آراستہ ہوتے۔ ان کے دروازے اور کھڑکیاں نقش و نگار سے مزین ہوتیں۔ یہ صاحبِ مکان کے نام یا ان کے منصب

کی رعایت سے یاد کئے جاتے۔ مثلاً: صوبیدار کا باڑہ ، جمعدار کا باڑہ ، رسالدار کا باڑہ ، حکیم جی کا باڑہ ، نواب صاحب کا باڑہ اور عرب کا باڑہ وغیرہ۔ بعض امراء شرفا کے مکان سے ملحق قبرستان تھے جو تکیہ کہلاتے تھے۔

ہمارے پاس عہد بھوسلہ کے ایک معروف طبیب حکیم عنایت علی خان کے مکان (واقع حیدری روڈ مومن پورہ) کی تفصیلات محفوظ ہیں۔ ان کے مکان کے نقشہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تقریباً ۳۲ ہزار اسکوائر فٹ کے احاطے میں تھا۔ اس میں ان کا رہائشی مکان ، دیوان خانہ ، باورچی خانہ ، دواخانہ اور کنواں تھا۔ جو زمین کھلی تھی ان میں انواع و اقسام کے درخت اور پودے تھے۔ مکان سے ملحق جنوب میں تکیہ پیر بخش اور مشرق میں تکیہ غریب شاہ تھا۔

حکیم عنایت علی خان کی رہائش گاہ کے مغربی حصہ میں محمد علی روڈ کے کنارے صوبیدار صاحب کا باڑہ تھا۔ یہ منشی محمد سعد الدین صوبیدار اور منشی محمد صلاح الدین کی ملکیت تھی۔ یہ بہت ہی وسیع و عریض علاقے پر محیط تھا۔ یہ بقات بائی کے تکیہ سے شروع ہو کر محمد علی سرائے پر منتہی ہوتا تھا۔ اس علاقے میں صوبیدار صاحب کے مکانات ، جھجھ باغ ، بڑی مسجد (جامع مسجد) اور کنواں وغیرہ تھے۔ اسی طرح اہلحدیث مسجد (چھوٹی مسجد) کے اطراف منشی محمد سعد الدین کے چھوٹے بھائی غلام علی کی املاک تھیں۔

یہی حال عرب کا باڑہ (عادل ناگپوری کا رہائشی مکان) نواب صاحب کا باڑہ (نواب صدیق علی خان کا رہائشی مکان واقع نواب پورہ) حکیم جی کا باڑہ ، میر عزیز کا رہائشی مکان واقع دہی بازار اتواری ناگپور ، سجن گلزار کا رہائشی مکان اور ان کی خانقاہ واقع تکیہ دیوان شاہ کا بھی تھا۔ یہ سب بڑے بڑے علاقہ پر پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں صاحب مکان کے رہائشی مکان ، ان کا

تکیہ کنواں اور مسجد تھی۔

مسلم معاشرے کا متوسط اور غریب طبقہ انہی امرا و شرفا کے علاقوں میں یا اس کے اطراف سکونت پذیر تھا۔ وہ ان کے زیر سایہ پر سکون اور خوش حال زندگی گزارتا تھا۔ ان کے چھوٹے چھوٹے مکانات مٹی کے ہوتے جن پر کویلو کی چھت ہوتی۔

لباس :

اس زمانے میں لوگ عموماً صافہ باندھتے اور ڈھیلے ڈھالے کرتے پاجامے پہنتے۔ لیکن جو شرفا، امرا، اہلِ علم اور ذی حیثیت تھے شیروانی ان کا مخصوص لباس تھا۔ وہ ہلکی اچکن بھی پہنتے تھے اور جمعہ، عیدین اور خاص موقعوں پر عبا زیب تن کرتے تھے۔

تفریحی پروگرام :

امرا و شرفا سیر و تفریح کے لئے شان و شوکت سے بگھی پر نکلتے تھے۔ جبکہ متوسط طبقہ تانگے کا سہارا لیتا تھا۔ یہ لوگ گھوڑے کی سواری، نشانے بازی اور شکار کے بڑے شوقین تھے۔ جو اہلِ علم اور دانشور تھے وہ کسی امیر کے مکان میں علمی و ادبی محفلوں کا انعقاد کرتے اور کسی ایک موضوع پر بحث و مباحثہ کرتے۔ مشاعرے بھی منعقد کئے جاتے تھے جن میں شعرا دیئے گئے مصرع طرح پر اپنا کلام سناتے۔

حسن سلوک :

وہ بڑے مہمان نواز تھے۔ اپنے رشتے داروں کا حد درجہ لحاظ رکھتے تھے۔

اور تہواروں یا شادی بیاہ کے موقعوں پر رشتے کے لحاظ سے ایک دوسرے کو حصہ لیتے دیتے تھے۔ ان کی رسومات سادہ لیکن پُر وقار ہوا کرتی تھیں۔ ایسے مواقع پر وہ غریبوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔

مذہبی پروگرام :

وہ عید، بقرعید، محرم، شب برات اور گیارہویں شریف کا اہتمام بڑے جوش و خروش سے کرتے۔ رمضان المبارک کے مہینہ کا حد درجہ احترام کرتے۔ روزوں کے علاوہ نوافل، تلاوتِ قرآن ان کے اس مہینے کے معمولات تھے۔ وہ سال بھر میں دو محفلوں کا انعقاد بھی بڑی عقیدت سے کرتے۔ ایک محفلِ میلاد اور دوسری مجلسِ عزا۔ محفل میلاد میں میلاد خواں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے۔ اس محفل کا انعقاد ربیع الاوّل کے مہینے میں کثرت سے ہوتا۔

محرّم :

محرم بڑے جوش و خروش اور عقیدت سے منایا جاتا تھا۔ یکم محرم سے ۱۲ محرم تک متواتر پروگرام ہوتے۔ مجلسِ عزا منعقد کی جاتی، کھچڑا پکایا جاتا، جگہ جگہ سبیل کا اہتمام ہوتا اور سواری اور تعزیہ بٹھائی جاتی۔ ۸، ۹، ۱۰ اور ۱۲ محرم کو زبردست میلہ لگتا۔ اس میلہ میں شہر اور اطراف کے ہندو مسلمان کثیر تعداد میں شریک ہوتے۔ ۸ اور ۹ محرم کو نعلِ حیدر، نعل صاحب اور دیگر سواریاں اٹھتیں۔ ۱۰ محرم کو تعزیے جلوس کی شکل میں نکلتے اور حکیم یادگار حسین کے کربلا میں معتقدین کی زیارت کے لئے رکھے جاتے۔ ۱۲ محرم کو حکیم یادگار حسین کے امام باڑے سے مہندی اٹھتی اور کربلا جاتی۔ ان ایام میں

نعل صاحب، بھالدار پورہ، محل، جمعہ تالاب اور حکیم یادگار حسین کے کربلا میں اس قدر ہجوم ہوتا کہ یہ علاقے انسانوں کے جنگل نظر آتے۔ خود بھوسلہ راجہ محرم کی ان تقاریب میں بڑے اہتمام سے شرکت کرتے۔ انھیں تعزیہ داری اور محرم کے پروگرام سے جو لگاؤ اور عقیدت تھی اس کو ناگپور کے مؤرخ یاد دمادھو کالے نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ۴۸ھ

"مسلمانوں کے لئے بھوسلہ راجاؤں کے دلوں میں بے انتہا احترام اور کشادگی تھی۔ وہ گنپتی کے علاوہ محرم کا تہوار بڑی عقیدت کے ساتھ مناتے تھے۔ وہ پہلے جمعہ تالاب میں غسل کرتے، پوجا کرتے، ناؤ پر سوار ہوتے۔ تالاب کے بیچ میں جا کر گنپتی کو ڈبوتے۔ پھر تالاب کے کنارے کچھ لمحے ٹھہرتے۔ اس کے بعد قلعہ جاتے۔ برہان شاہ کے تعزیے کی زیارت کرتے۔ بعد ازاں شیخ جی اور غلام علی کے تعزیے کی زیارت کرتے۔

خاص دسویں محرم کے دنوں کا ذکر کرتے ہوئے یاد دمادھو کالے لکھتے ہیں: "وہ علی الصبح غسل کرتے، پوجا کرتے، کھانا کھاتے اس کے بعد دیوان خانے میں بیٹھ کر راستے سے گزرنے والی ہر تعزیہ کی زیارت کرتے"

دنگل:

ان ایام میں شہر میں مختلف مقامات پر دنگل کا بھی اہتمام کیا جاتا جس میں بزرگ و نوعمر فنِ حرب کا مظاہرہ کرتے ان دنگلوں کو دیکھنے کے لئے کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے۔ بہادر علی نے اپنے ۱۸۷۴ء کے روزنامچہ میں ان کی

تفصیلات دی ہیں۔ اس کے مطابق شہر میں یکم محرم سے ۹ محرم تک ان مقامات پر دنگل ہوتے تھے۔

یکم محرم کی شب میں : بڑا نعل صاحب محلہ ہنسا پوری میں

دو محرم کی شب میں : جمعہ دروازہ میں حسین تمولی، جمال صاحب اور قادر پٹوا کے مکانات کے احاطے میں

تین محرم کی شب میں : میر عزیز ساکن لکڑ گنج کے مکان کے احاطہ میں۔

چار محرم کی شب میں : خاک پاک یعنی اللہ میاں کا کھم تلسی باغ کے احاطہ میں

پانچ محرم کی شب میں : عبداللہ ساکن ٹکسالی محلہ کے مکان کے احاطہ میں

چھ محرم کی شب میں : محلہ کسبی پورہ میں

سات محرم کی شب میں : جوہری پورہ، اطراف محل یعنی دریابائی اور لیشونت راؤ گجر کے مکان کے احاطہ میں

آٹھ محرم کی شب میں : نعل حیدر (نواب پورہ) اور قلعہ کے علاقہ میں

نو محرم کی شب میں : ریوری کی مسجد کے علاقہ میں

مدار صاحب کا میلہ :

ناگپور کا سب سے بڑا میلہ مدار صاحب کا میلہ تھا۔ یہ حضرت شاہ بدیع الدین زندہ مدار مکن پوری کی تاریخ وصال کو ہر سال ۱۸ جمادی الاوّل کو تکیہ دیوان شاہ میں بڑی دھوم دھام اور شان و شوکت سے لگتا تھا۔ یہ وہ تکیہ ہے جس کے مورث اعلیٰ زندہ شاہ مدار کے ساتویں خلیفہ سجن گلزار تھے۔

اس عرس اور میلہ کو بھوسلہ راجاؤں کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس میں شہر اور اطراف شہر کے ہندو اور مسلمان کثیر تعداد میں شریک ہوتے۔ عید کی طرح بچوں کو لازمی طور سے نئے نئے کپڑے سلائے جاتے۔ تکیہ دیوان شاہ کے

علاقہ میں رات بھر ہماہمی اور چہل پہل رہتی۔ طرح طرح کی دوکانیں لگتیں۔ تفریح کے ساز و سامان آتے اور مختلف تقاریب منعقد ہوتیں۔ دوسرے دن صبح گیارہ بجے ملنگ لوگوں کا گروہ زبردست بھیڑ کے درمیان اپنے دھمال کا مظاہرہ کرتا۔ یہ میلہ آج بھی لگتا ہے لیکن اب اس کی حالت چراغِ سحری کی طرح ہے۔

ہندو مسلم تعلقات :

اس دور کے مسلمانوں کے ہندوؤں سے بہت ہی خوشگوار تعلقات تھے۔ دونوں ایکدوسرے کے غم و خوشی میں برابر کے شریک تھے۔ نومسلم گونڈ راجہ اور بھوسلہ راجہ سے برادرانہ تعلقات ہونے کی وجہ سے ہندو مسلمان ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ جس طرح نومسلم گونڈ راجاؤں نے ہندوؤں کا لحاظ رکھا اسی طرح بھوسلہ راجاؤں نے بھی اپنے دورِ حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ ہمدردانہ اور مشفقانہ سلوک کیا۔ انھیں کافی جاگیریں اور زمینیں دیں۔ حکمرانوں کی اس پالیسی کے اچھے اثرات عوام پر پڑے۔ ناگپور میں ہندو مسلمان اس طرح مل جل کر رہے گویا ان میں کوئی تفریق نہیں تھی۔ یہ ایک تاریخی صداقت ہے۔ اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔

حواشی :

۳۸؎ ناگپور نگر سنستھا شتابدی گرنتھ مطبوعہ ۱۹۶۴ء (مراٹھی) ص: ۴۲

۳۹؎ ناگپور کر بھوسلیانچا اتہاس (مراٹھی) مطبوعہ ۱۹۷۹ء ص: ۲۸۹

۴۰؎ ناگپور نگر سنستھا شتابدی گرنتھ (مراٹھی) مطبوعہ ۱۹۶۴ء، ص: ۴۲

۴۱؎ ناگپور کر بھوسلیانچا اتہاس (مراٹھی) مطبوعہ ۱۹۷۹ء، ص:

۴۲؎ ناگپور نگر سنستھا شتابدی گرنتھ (مراٹھی) مطبوعہ ۱۹۶۴ء، ص: ۴۳

۴۳ے خزائن الاشعار از عادل ناگپوری (قلمی)، ص:
۴۴ے ناگپور ٹائمز ناگپور مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۷۶ء (انگریزی مضمون۔ ناگپور اے ہنڈریڈ ایر اگو۔ بائی۔ این ایس پانڈے)
۴۵ے ناگپور نگر سنستھا شتابدی گرنتھ (مراٹھی) مطبوعہ ۱۹۶۴، ص: ۱۲۷ (کھنڈ ۳)
۴۶ے ماہنامہ ہمایوں (لاہور) جنوری ۱۹۴۴ء، ص: ۹۰
۴۷ے چھندواڑہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر (انگریزی) ۱۹۰۷ء، ص: ۲۹
۴۸ے ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس (مراٹھی) مطبوعہ ۱۹۷۹ء، ص: ۴۴۰

نوٹ:

صفحہ نمبر ۳۷ پر سطر نمبر ۱۲ اور ۱۳ کو اس طرح پڑھا جائے۔

"علی نواز کا باغ (پارڈی روڈ کے کنارے، مسلم قبرستان کے قریب) نواب صدیق علی خان کا باغ (حسن باغ) صوبیدار علی حسین کا باغ (تلسی باغ کے قریب) نواب حسین کا باغ (گوشی پورہ کے مغربی حصہ میں) محسن علی کا باغ (مکڑ گنج کے آگے کامٹی روڈ کے کنارے) اور علی انور کا باغ (پارڈی روڈ) نمایاں نظر آتا ہے۔

مشاہیر

گونڈ اور بھوسلہ عہد میں جن مسلمانوں نے کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں اور جن کی شخصیت تاریخ ناگپور کے ساتھ وابستہ رہی ہے، یہاں ان کے حالات قلمبند کیے جاتے ہیں اور ان کے کارناموں کو مختلف ذرائع سے حاصل کر کے بیان کرنے کی کماحقہٗ کوشش کی جاتی ہے۔ اس باب کو ہم نے چار حصوں میں تقسیم کیا ہے: منصبدار، حکماء، علماء و صلحاء اور قاضیانِ شہر۔ شعرا کے حالات اور ان کے کارناموں سے اس لئے صرفِ نظر کیا گیا ہے کہ ہم نے ان پر اپنی تصنیف "ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر" میں تفصیل سے روشنی ڈال دی ہے۔ پہلے منصبداروں کے حالات اور ان کے کارنامے دیکھئے:

راجہ خان:

بخت بلند شاہ کے نامور سپہ سالار تھے۔ جب بخت بلند شاہ نے اورنگ زیب

کی مدد سے دوبارہ تخت و تاج حاصل کیا تو اس نے اپنی فوج کو از سر نو ترتیب دے کر اپنی حکومت کی توسیع کی اور دیوگڑھ کے اطراف کے کئی علاقے فتح کئے۔ اس کے ایک رشتہ دار راجہ جے سنگھ نے سیونی، کٹنگی، چھپارہ اور ڈونگر تال پر قبضہ کیا جبکہ راجہ خان نے ناگپور سے ملحق بھنڈارہ کے علاقے پرتاپ گڑھ اور سنگرہی کو زیرنگیں کیا۔ بخت بلند شاہ نے راجہ خان کو ان کی وفاداری سے خوش ہو کر ڈونگرتال (سیونی، مدھیہ پردیش) کا گورنر مقرر کیا تھا۔[۴۹]

محمود خان جھلکی اور ان کا خاندان:

راجہ بخت بلند شاہ کے ملازمین میں ایک محمود خان جھلکی بھی تھے۔ وہ بخت بلند شاہ کے ساتھ ناگپور آئے اور یہاں مستقل آباد ہوئے۔ بعد کو ان کے خاندان کے افراد نے اپنا نام کافی روشن کیا۔ ان کے پاس گونڈ اور بھوسلہ عہد میں جمعداری کا منصب رہا۔

محمود خان جھلکی کے بیٹے عنایت خان اور عنایت خان کے بعد ان کے بیٹے مرحمت خان جمعدار کے منصب پر فائز ہوئے۔ قاضی محمد شمس الدین نے مجموعہ شمسی (ص: ۲۵۵ سے ۲۵۷) میں اس خاندان پر سلسلہ وار روشنی ڈالی ہے۔ ان کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق مرحمت خان کے پانچ بیٹے تھے: عبدالرحمٰن خان عرف چھبا میاں، بشارت خان، بنو میاں، بھدو میاں اور محمود خان عرف چھوٹو میاں۔

مرحمت خان کے انتقال کے بعد جمعداری کا منصب عبدالرحمٰن خان عرف چھبا میاں کو ملا۔ یہ راجہ رگھوجی ثانی کے دور کی بات ہے۔ عبدالرحمٰن خان کے پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ پہلی بیوی سے تین بیٹے: مہتاب خان، عبدالستار خان اور تارا میاں اور تین بیٹیاں تھیں اور دوسری بیوی

سے دو بیٹے عبدالکریم خان اور عبدالعظیم خان (عرف منومیاں) اور دو بیٹیاں تھیں۔ ۵۰ھ

جب عبدالرحمن خان عرف چھبامیاں آنکھوں سے معذور ہوگئے تو رگھوجی ثالث کے دور میں ان کے نام کی پنشن اور جمعداری کی اسامی تارامیاں کے نام ہوئی۔ تارامیاں نے ۱۸۶۹ء میں گھوڑے سے گر کر وفات پائی۔ ان کے انتقال کے بعد عبدالکریم خان جمعدار مقرر ہوئے۔ انھوں نے بروز پیر، ۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۰۶ھ (۱۸۸۹ء) کو ہیضہ کی بیماری میں رحلت فرمائی۔ ان کی وفات سے متاثر ہوکر عادل ناگپوری نے ۵۲ اشعار پر مشتمل ایک طویل قطعۂ تاریخ کہا ہے جو ان کے دیوانِ تاریخات (ص: ۴۰ سے ۴۲ تک) میں موجود ہے اور یہ قطعہ ان کے چھوٹے بھائی کی فرمائش پر ان کے لوحِ مزار کے لئے لکھا تھا: ۵۱ھ

دوشنبہ بود، یازدہم از مہہِ صیام
عبدالکریم آہ، بجنت مقیم شد
در گوش طبع عادلِ محزوں بگفت دل
سالِ وفات "فائزِ خلدِ کریم شد" ۱۳۰۶ھ

عادل نے عبدالکریم خان کی شادی کے موقع پر بھی ۵۲ اشعار پر مشتمل ایک جاندار اور پرزور قطعۂ تاریخ کہا تھا۔ یہ بھی دیوانِ تاریخات (ص: ۴۳، ۴۴) میں محفوظ ہے۔ اس قطعہ میں ان کے اور ان کے خاندان کے اوصاف بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اس قطعہ کے آخری مصرع سے ۱۸۶۸ء برآمد ہوتا ہے۔

ناگہ سروشِ غیبی گفتا سنِ مسیحی
نوشہ زصد جلالی عبدالکریم خان شد ۱۸۶۸ء

دیوانِ تاریخات کے ص: ۳۲ پر چار مصرعوں پر محتوی جو قطعۂ تاریخ ہے

اس سے ہجری سن نکلتا ہے۔ دیکھئے :

شدہ نوشہ کریم خاں صاحب
بہائیوں زماں ز لطفِ الٰہ
از لب آسماں ندا آمد
بہرِ سائش کریم خاں نوشاہ ۱۲۸۴ھ

یوں یہ خاندان اپنے دور میں کافی مقبول اور با اثر تھا۔

میاں وجیہہ الدّین :

ان کا خاندان بھی عہد گونڈ میں ناگپور آیا اور یہاں مستقل آباد ہوا۔ انھوں نے راجہ جانوجی بھوسلہ کے دور میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ وہ دربار شاہی سے وابستہ تھے۔ انھیں راجہ نے منصب و مرتبہ عطا کیا تھا۔ موصوف "جمعہ مسجد" کے متولی تھے۔ انھی کی تحریک پر جانوجی نے مسجد کے اخراجات کے لئے ایک گاؤں عطیہ کے طور پر دیا تھا۔ ان کی صرف دو ہی بیٹیاں تھیں۔ ایک بیٹی مولوی فرحت اللہ سے بیاہی تھی۔ دوسری میر ببر علی کے عقد میں تھی۔ یہ دونوں میاں وجیہہ الدین کے انتقال کے بعد یکے بعد دیگرے جمعہ مسجد کے متولی ہوئے۔ ان کے حالات علما و صلحا کے باب میں شامل ہیں۔ ۵۲ے

علی قراول خان :

رگھوجی بھوسلہ اول کے سپہ سالاروں اور سرداروں میں علی قراول خان کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ان پر رگھوجی کو بے انتہا اعتماد اور بھروسہ تھا۔ اس لئے اپنی ہر جنگی مہمات میں اپنے دیگر مرہٹہ سرداروں کے ساتھ انھیں بھی روانہ کرتا تھا۔ وہ میدان جنگ میں ہمیشہ پیش پیش رہے اور اپنی شجاعت

و دلیری کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ ان کے بیشتر مقابلے نوابوں اور مسلم حکمرانوں سے رہے لیکن ہر بار رگھوجی کے ساتھ اپنی محبت اور وفاداری کا ثبوت دیا۔ انھوں نے ۱۷۴۴ء میں بنگال پر رگھوجی کے تیسرے حملہ کے دوران میدانِ جنگ میں جام شہادت نوش کیا۔ اس حملے میں رگھوجی کے بائیس نامور سردار مارے گئے تھے جن میں بھاسکر پنت، شاہ محمد خان، لیشونت راؤ گجر نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ۵۳

شاہ محمد خان :

یہ بھی رگھوجی اول کے جانباز اور نامور سپہ سالار تھے اور اس کے ساتھ ہر معرکے میں شریک رہے۔ انھوں نے بھی ۱۷۴۴ء میں بنگال پر تیسرے حملہ کے دوران اپنی بہادری اور دلیری کا زبردست مظاہرہ کیا اور میدانِ جنگ میں ہی اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کی۔ ۵۴

شیخ عبدالشکور اور ان کا خاندان :

حاجی شیخ عبدالشکور اور ان کا خاندان عہد بھوسلہ میں محکمۂ عدالت سے ہمیشہ وابستہ رہا۔ یہ اپنے دور میں بہت ہی معزز و ممتاز تھا اور اسے ناگپور میں بلند مرتبہ حاصل تھا۔ اس خاندان پر قاضی محمد شمس الدین نے اپنی کتاب مجموعۂ شمسی میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ۵۵

ان کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق حاجی شیخ عبدالشکور، راجہ رگھوجی بھوسلہ اول کے دور میں اورنگ آباد سے ناگپور آئے اور راجہ کے انتظامی امور سے وابستہ ہوئے۔ ان کے والد کا نام حاجی عبدالغفور اور دادا کا نام حاجی عبدالرسول تھا۔ وہ یہاں منصفی کے کام پر مامور تھے۔ ان کی کارکردگی سے خوش ہو کر راجہ

نے انھیں محل کے علاقے میں قلعہ کے سامنے کافی زمین دی تھی۔ وہیں ان کی رہائش گاہ تھی۔ ان کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ ان کے نام شیخ محمد علی، شیخ غلام مرتضیٰ، شیخ غلام حسین اور شیخ غلام علی تھے۔ بیٹیاں بڑی بی، منجھلی بی اور چھوٹی بی کہلاتی تھیں شیخ عبدالشکور کے یہ چاروں بیٹے بھی صاحب علم تھے۔ وہ بھی اپنے والد کی طرح فارسی میں اعلا صلاحیت رکھتے تھے۔ چنانچہ انھیں بھی معزز عہدے ملے۔ خصوصاً شیخ محمد علی اور شیخ غلام حسین نے تاریخ ناگپور میں نمایاں مقام حاصل کیا۔

شیخ محمد علی:

ناگپور کے مؤرخ یادو مادھو کالے اپنی کتاب "ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس" میں ایک انگریز وکیل فارسٹر کی ۱۵ جنوری ۱۷۸۸ء کی رپورٹ کے حوالے سے شیخ محمد علی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ۵۶

"بھوسلہ شاہی دربار میں شیخ محمد علی نامی ایک قدیم خادم ہے۔ وہ راجہ کے ہر وقت قریب رہتا ہے۔ اس کے روزمرہ کے کام کاج خصوصاً ثقافتی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔ اسے فارسی زبان پر غیر معمولی قدرت حاصل ہے، اس لئے وہ راج دربار کی ریت رواج اور طور طریقوں سے بخوبی واقف ہے۔ جب بھی کوئی انگریز سفیر ناگپور آتا ہے راجہ اس کے خیر مقدم اور استقبال کے لیے اسی کو بھیجتا ہے۔ ناگپور شہر کی منصفی کا کام بھی اسی کے ذمے ہے، لیکن اہم معاملات کے فیصلے راجہ خود صادر کرتا ہے۔

اس اقتباس میں حاشیہ نمبر ۳۲۲ کے تحت یہ وضاحت کی گئی ہے کہ جب

کیمبل اور اینڈرسن کلکتہ سے ناگپور آئے تو شیخ محمد علی نے ہی ان کا خیر مقدم کیا تھا۔

ان تفصیلات کی روشنی میں اگر تاریخ ناگپور کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ جس وقت فارسٹر نے اپنی یہ رپورٹ گورنر جنرل کو روانہ کی تھی اس وقت ناگپور میں راجہ مودھاجی (۱۷۷۲ - ۱۷۸۸ء کی حکومت تھی۔ دوسری یہ کہ کلکتہ سے کیمبل اور اینڈرسن ۱۴ ستمبر ۱۷۷۸ء کو ناگپور آئے تھے۔ یہ دونوں ۱۲ دسمبر ۱۷۷۸ء تک ناگپور میں مقیم رہے۔

ان حقائق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شیخ محمد علی کا تعلق راجہ مودھاجی کے دربار سے تھا۔ فارسٹر کے بیان کے مطابق وہ بھوسلہ راجہ کے قدیم خادم تھے اس لیے ممکن ہے کہ مودھاجی کے بڑے بھائی راجہ جانوجی (۱۷۵۵ء - ۱۷۷۲ء) کے دربار سے بھی وابستہ رہے ہوں، جو مودھاجی سے پہلے حکمراں تھے۔

بہر حال اس امر میں دو رائے نہیں ہے کہ شیخ محمد علی اپنے دور کی ایک قدآور اور ممتاز شخصیت تھے۔ قاضی محمد شمس الدین کے بیان کے مطابق ان کو دو بیٹی تھی۔ خدا نے انھیں بیٹوں سے محروم رکھا تھا۔

شیخ غلام حسین :

شیخ غلام حسین کو رگھوجی ثانی کے دور میں عروج ملا اور وہ عدالت میں کامیشدار کے منصب پر فائز ہوئے۔ یہ عدالت کا سب سے اعلا عہدہ تھا۔ ان کے چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ ان کے لڑکوں کے نام اشرف حسین، باقر حسین، صفدر حسین اور جعفر حسین تھے۔ لڑکی کا نام تارا بائی تھا جو قمر الدین عرف میرن میاں اورنگ آبادی کے ساتھ بیاہی تھی۔

ان چاروں بھائیوں کو رگھوجی بھوسلہ ثالث کے دور میں معزز مقام و منصب ملا۔ ان میں خاندانی سلسلہ اشرف حسین اور صفدر حسین سے قائم رہا۔ باقر حسین، قصبہ گڑھ پوری (ضلع چاندہ مہاراشٹر) میں راجہ کی طرف سے انتظامی امور پر مامور کیے گئے تھے۔ وہ وہیں لاولد فوت ہوئے۔ جعفر حسین اپنے والد کے بعد عدالت کے کامیشدار بنائے گئے تھے۔ انھوں نے تجردانہ زندگی اختیار کر رکھی تھی۔

اشرف حسین :

اشرف حسین پہلے ناگپور کی عدالت میں داروغہ مقرر کئے گئے۔ بعد کو انھیں راجہ نے ۱۸۳۰ء میں چھندواڑہ کا صوبیدار (ضلعدار) بنا کر بھیجا۔ ۵۸ء جب ضعیف ہوئے تو ناگپور بلوا لئے گئے اور ان کی جگہ ان کے بیٹے امداد حسین کو چھندواڑہ کا صوبیدار بنایا گیا۔

اشرف حسین کی شادی ناگپور کے ایک مشہور شخص ہنومیاں کی بیٹی کے ساتھ ہوئی تھی۔ یہ ہنومیاں علیم الدین عرف گوٹو میاں کے جد امجد تھے۔ اشرف حسین کو صرف ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔ بیٹے کا نام امداد حسین تھا جو عدامیاں کے نام سے مشہور تھا۔ بیٹی کی شادی جیون علی خان ابن غلام حیدر کے ساتھ ہوئی تھی۔

امداد حسین پہلے عدالت کے داروغہ بنائے گئے۔ بعد کو وہ چھندواڑہ کے صوبیدار مقرر ہوئے۔ ان کی شادی چھندواڑہ میں محمد مرتضیٰ خان کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ ان کے دو بیٹے تھے : ہدایت حسین اور خورشید حسین۔ ان میں ہدایت حسین راجہ رگھوجی ثانی کے نامور سپہ سالار نواب صدیق علی خان کے بیٹے نواب تقی علی خان کے داماد تھے۔ اور خورشید حسین انجمن حامیِ اسلام ناگپور کے سابق سکریٹری مرحوم مونس حسین کے جد امجد تھے۔

امداد حسین کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ ان کی ایک بیٹی حاجی حافظ غلام رسول عمگین

کے بھتیجے غلام دستگیر شرق سے اور دوسری بیٹی محمد سعدالدین صوبیدار کے بیٹے اکبر علی خان عرف پاپا میاں سے بیاہی تھی۔ حاجی عبدالشکور کے خاندان کی یہی وہ واحد شاخ ہے جس کے اخلاف آج بھی ناگپور اور کراچی (پاکستان) میں موجود ہیں۔

صفدر حسین :

صفدر حسین بھی رگھوجی ثالث کے دور میں اعلا منصب پر فائز تھے۔ جب ان کے بڑے بھائی اشرف حسین چھندواڑہ کے صوبیدار بنا کر بھیجے گئے تو ان کی خالی جگہ پر عدالت کا داروغہ انھی کو بنایا گیا۔ انھوں نے اس فرض کو انتہائی دیانت داری سے انجام دیا۔ ان کے دو بیٹے ولایت حسین اور محب حسین تھے۔ ولایت حسین کو انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں بغاوت کی سازش کرنے کے جرم میں پھانسی کی سزا دی تھی۔ ان کی قبر سیتا بلڈی کے قلعہ میں ہے۔ محب حسین نے سفر حج کے دوران مکہ مکرمہ میں رحلت فرمائی۔ یہ واقعہ ۱۸۵۷ء کے پہلے کا ہے۔ یہ دونوں بھائی لاولد فوت ہوئے۔

شیخ عبدالشکور کا خاندان ہمیشہ بھوسلہ راجاؤں کا وفادار رہا اس لئے تاریخ ناگپور میں نمایاں رہا۔ یہ تعلیم یافتہ، مہذب اور شریف تھا اور عدالت والے کا خاندان کہلاتا تھا۔ انھیں مختلف اوقات میں بھوسلہ راجاؤں کی طرف سے انعام واکرام میں کئی جاگیریں ملیں۔ ان کی بعض جاگیروں کو انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی ناکام بغاوت کے بعد ضبط بھی کیا۔ یہ خاندان دیندار تھا۔ غالباً مسجد نجم الدین (محل ناگپور) بھی انھی لوگوں کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس مسجد میں جو پختہ مزارات ہیں ان میں اسی خاندان کے افراد آسودۂ خواب ہیں۔

ان کے بڑے بڑے رہائشی مکانات مسجد گوٹو میاں (محل) کے سامنے تھے۔ اس مسجد سے ملحق ان کا تعمیر کردہ امام باڑہ بھی تھا۔ اب یہ ساری املاک دوسروں

کے قبضہ میں ہیں۔ اس وقت اس خاندان کے نام لیوا شہزاد حسین اور تجمل حسین ظفر بحریا (ناگپور) میں رہتے ہیں۔ یہ دونوں انجمن حامیٔ اسلام ناگپور کے سابق سکریٹری مرحوم مونس حسین (ابن یونس حسین ابن خورشید حسین ابن امداد حسین ابن اشرف حسین) کے حقیقی بھتیجے ہیں۔

نور محمد خان فوجدار :

انھیں تاریخ میں نور خان سفید پوش کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ موصوف دہلی کے رہنے والے تھے۔ فن سپہ گری کے ماہر اور ہاتھیوں اور گھوڑوں کے تاجر تھے۔ وہ تجارت کے سلسلے میں کچھ ہاتھی اور گھوڑے لے کر راجہ مودھاجی کے دور (۱۷۷۲ء - ۱۷۸۸ء) میں ناگپور آئے۔ راجہ نے ان کی عزت افزائی کی۔ ان سے نہ صرف ہاتھی گھوڑے خریدے بلکہ ان کی سپاہیانہ صلاحیتوں کو دیکھ کر انہیں اپنی فوج میں ملازم بھی رکھ لیا۔ یوں وہ ناگپور میں مستقل آباد ہوئے۔ ۵۹ھ

انھوں نے راجہ مودھاجی کے ساتھ سب سے پہلے پانچ گاؤں کی لڑائی میں پرجوش حصہ لیا۔ یہ لڑائی مودھاجی اور اس کے حقیقی بھائی ساباجی کے درمیان ۲۶ جنوری ۱۷۷۵ء کو ناگپور سے کچھ فاصلے پر پانچ گاؤں کے مقام پر ہوئی تھی۔ اس میں ساباجی مارا گیا تھا۔ اسی لڑائی میں نور محمد خان کے دلیرانہ کارناموں سے خوش ہو کر راجہ نے انھیں نہ صرف جاگیر دی بلکہ سواری کے لئے ایک پالکی بھی عنایت کی۔ ۶۰ھ

یہیں سے ان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور انھوں نے فوج میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ جب راجہ رگھوجی ثانی کا دور (۱۷۸۸ء - ۱۸۱۶ء) آیا اور اس کا سرحدی علاقہ ہوشنگ آباد کے معاملے میں بھوپال کے نواب حیات محمد

خان سے اختلاف ہوا تو اس نے ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ء) میں نور محمد خان جمعدار، سکھارام باپو اور پانڈورنگ پنڈت کی قیادت میں چالیس ہزار فوج ہوشنگ آباد روانہ کی۔ اس فوج نے ہوشنگ آباد پر زبردست حملہ کر کے قلعہ پر غلبہ حاصل کیا۔ اس میں نور محمد خان نے اپنی شجاعت و دلیری کا زبردست مظاہرہ کیا تھا۔[۶۱]

اس کے بعد جب ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) میں بھوپال کے مختار ریاست وزیر محمد خان بہادر نے اپنی حکمت و دانائی سے قلعہ دار کو ملا کر ہوشنگ آباد کو اپنے قبضہ میں لے لیا تو رگھوجی ثانی نے دوبارہ نور محمد خان، پانڈورنگ پنڈت اور سدو پانڈت کی قیادت میں چالیس ہزار فوج ہوشنگ آباد بھیجی۔ اس فوج نے بھی اتنا زبردست حملہ کیا کہ وزیر محمد خان کے چھکے چھوٹ گئے اور میدان بھوسلہ فوج کے ہاتھ رہا۔ ان دونوں حملوں پر بھوپال کی ملکہ شاہجہانی بیگم نے اپنی تاریخی کتاب تاج الاقبال (تاریخ ریاست بھوپال) میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور نور محمد خان (نور خان سفید پوش) کے کارناموں کو غمگین لہجہ میں بیان کیا ہے۔[۶۲]

رگھوجی ثانی کے دور میں ۱۸۰۷ء سے ۱۸۱۳ء تک ہوشنگ آباد اور بھوپال پر اور حملے ہوئے لیکن ان حملوں میں بجائے نور محمد خان کے نواب صدیق علی خان کا نام نظر آتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کبر سنی کے باعث خانہ نشین ہو گئے ہوں۔ انھوں نے انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں رحلت فرمائی۔ ان کی شادی ناگپور میں ہی ہوئی تھی۔ ان کے دو بیٹے تھے: تاج محمد اور پیر محمد۔ ان میں خاندانی سلسلہ تاج محمد سے چلا۔ تاج محمد کے تین بیٹے تھے: تانو میاں، منجھلے میاں اور بچو میاں۔ ان میں تانو میاں کے دو بیٹے: مالو میاں اور پیر محمد تھے۔ منجھلے میاں اولادِ نرینہ سے محروم تھے۔

جبکہ بچو میاں کے ایک بیٹے بابا میاں تھے۔

تانو میاں کے چھوٹے بیٹے پیر محمد کو صرف ایک لڑکا تھا جس کا نام مشتاق میاں تھا۔ جبکہ ان کے بڑے بیٹے مالو میاں، قاضی محمد شمس الدین مؤلفہ مجموعہ شمسی کے بڑے بھائی محمد نور الدین کے داماد تھے۔[۲۴]

نور محمد خان کو ان کے کارناموں کی وجہ سے کافی انعام و اکرام اور جاگیر ملی تھی لیکن ان کے وارثین ان کو بحال نہ رکھ سکے۔ ان کا رہائشی مکان چٹنویس پارک کی جنوبی سمت میں تھا۔ وہیں ان کا خاندان بھی آباد تھا جو عرصہ ہوا کہ درہم برہم ہو گیا۔ اب وہاں نیو انگلش ہائی اسکول کی شاندار عمارت کھڑی ہے۔

نواب صدیق علی خان اور ان کا خاندان :

نواب صدیق علی خان اپنے بے مثال کارناموں کی وجہ سے تاریخ ناگپور میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ وہ رگھوجی ثانی کے مشہور سپہ سالار تھے۔ پہلے سلطان ٹیپو کی فوج سے وابستہ تھے۔ ریاست میسور کے زوال کے بعد ناگپور آئے یہاں راجہ نے انھیں سو گھوڑوں کا حاکم مقرر کیا۔ اس منصب پر فائز ہونے کے بعد ان کے جوہر اس قدر چمکے کہ تاریخ ناگپور کا اہم باب بن گئے۔

انھوں نے بہادری کے متعدد کارنامے انجام دئے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ ناگپور پر بدنام زمانہ پنڈاریوں کے مسلسل حملوں کی روک تھام ہے۔ انھیں راجہ نے اس اہم کام پر ۱۸۰۹ء میں مامور کیا تھا۔ انھوں نے جانفشانی کے ساتھ اس خطرناک مہم کو سر کیا۔ ان کی اسی بے لوث خدمت سے خوش ہو کر راجہ نے انھیں زبردست انعام و اکرام سے نوازا اور جنوبی نربدا کے علاقے کی صوبیداری بھی مرحمت کی۔[۲۶]

انھوں نے اس مہم میں بھی شرکت کی جسے راجہ نے ۱۸۰۱ء میں برار کے

نمازی خان کی سرکوبی کے لیے روانہ کی تھی۔ اس میں بھی خوب دادِ شجاعت دی اور اپنا نام روشن کیا۔[۶۵]

اسی طرح جب ۱۸۰۷ء میں سرحد کے معاملہ میں اس کا نواب بھوپال سے ازسرِنو اختلاف ہوا تو اس نے اپنے دیگر مرہٹہ سرداروں کے علاوہ نواب صدیق علی خان کو بھی کثیر فوج دے کر بھوپال پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اس حملہ میں بھی انھوں نے اپنی شجاعت اور جنگی حکمتِ عملی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد بھوپال پر جتنے حملے ہوئے ان میں وہ شریک رہے۔ اس سلسلے کا آخری حملہ جنوری ۱۸۱۳ء میں ہوا تھا جس میں وہ لڑتے ہوئے بھوپال کے گنوری دروازے تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن راجہ نے انھیں ستمبر ۱۸۱۳ء میں اس مہم سے واپس بلوا لیا تھا۔ اس کا سبب اس کی سیاسی حکمتِ عملی تھی۔[۶۶] رگھوجی ثانی کا ۲۲ مارچ ۱۸۱۶ء کو انتقال ہوا۔ اس کے انتقال کے فوراً بعد مسند نشینی کے معاملہ میں بھوسلہ راجہ کے درباری دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ایک گروہ پرسوجی کا اور دوسرا مادھوجی کا موافق تھا۔ پرسوجی عرف بالا صاحب رگھوجی ثانی کا اکلوتا بیٹا تھا جو جسمانی لحاظ سے مفلوج اور نابینا تھا جبکہ مادھوجی عرف آپا صاحب، رگھوجی ثانی کا حقیقی بھتیجا تھا۔ جو ایک حریص نوجوان تھا۔ ان دونوں گروہ میں پرسوجی کے حامیوں کا گروہ طاقتور تھا۔ اس لئے کہ اس میں نواب صدیق علی خان، نروبا چٹنویس، دھرم جی بھوسلہ اور گوجابا دادا گجر جیسے نامور سپہ سالار اور سردار شریک تھے۔ لہٰذا وہی مسند نشین ہوا۔ لیکن مادھوجی نے اسے یکم فروری ۱۸۱۷ء کو ہلاک کروا کے خود تخت پر قبضہ کر لیا۔ اب عنانِ حکومت اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد اس نے پرسوجی کے حامیوں سے بدلا لینا شروع کیا۔ اسی انتقامی کارروائی میں نواب صدیق علی خان کو بھی قید کیا لیکن وہ اس قدر بااثر تھے کہ انھیں بہت جلد رہا کر دینا پڑا۔[۶۷]

آپا صاحب بھوسلہ (مادھوجی) کی انتقامی کارروائی سے دل برداشتہ ہوکر نواب صدیق علی خان انگریز ریذیڈنٹ کے حامی ہوگئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سیتا بلڈی کی لڑائی (۱۸۱۷ء) میں ان کا کوئی کارنامہ نظر نہیں آتا۔ ۶۸ھ

اس لڑائی کے بعد جب ریذیڈنٹ نے ۲۶ جون ۱۸۱۸ء کو حکومت کی ذمے داری کم سن رگھوجی ثالث کو سونپی تو اس نے نواب صاحب کو اس کا نگراں مقرر کیا۔ بعد کو وہ اس ذمے داری سے علاحدہ کر دیے گئے۔ انھوں نے بروز جمعہ، ۲۱ شوال ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۷ء) کو رحلت فرمائی اور حسن باغ میں مدفون کیے گئے جو ان کی ذاتی ملکیت تھا۔ ان کے انتقال پر غمگین ناگپوری نے کئی قطعاتِ تاریخ کہے ہیں۔ ۶۹ھ

از جہاں صدیق علی خاں چوں کہ رفت
عقلِ من ناگہہ پئے تاریخ آں
گفت با صد غم کہ از دنیا گذشت
"آہ ایں نواب شمعِ خاندان" ۱۲۴۲ھ

بود ایں صدیق علی خاں بے شکی
اعدل و اسخا چو عثمان و عمر
داد خواہی گفت با صد درد و غم
"از جہاں رفتہ امیرے داد گر" ۱۲۴۲ھ

در میانِ ہمہ مردم بہ پریشاں حالے
گریہ و نالہ کناں بندۂ غمگیں بیتاب
نعش بر دوش گرفتہ سنِ تاریخ ایں گفت

"آہ صدیق علی خان بہادر نواب" ۱۲۴۲ھ

آج کا دن تیرہ، جوں لیلِ بیاباں ہو چکا
روزِ محنت جس کو کہیئے سو نمایاں ہو چکا

حبذا نواب عالی شان جس کی ذات پر
منحصر بذل و کرم اور ختم احساں ہو چکا

خانۂ صدق ارادت اور وثوقِ اعتقاد
آہ اس نواب کے مرنے سے ویراں ہو چکا

بعدِ صبح جمعہ، بست و یکمِ شوال میں
جسمِ پاکِ نور افزا اس کا بے جاں ہو چکا

دیکھ اس کو نقش پر نگین کہا سالِ وفات
"ماہِ تابانِ صداقت آج پنہاں ہو چکا" ۱۲۴۲ھ

نواب صدیق علی خان اپنے دور کے ایک صاحبِ ثروت اور با اثر انسان تھے۔ انصاف پسند، احباب نواز، نیک، سخی اور علم دوست تھے۔ ان کی راجہ رگھوجی ثانی نے بے انتہا قدر و منزلت کی اور خدمات سے خوش ہو کر انہیں موہپا (تحصیل ساونیر، ضلع ناگپور) کا علاقہ جاگیر کے طور پر عطا کیا۔ اس کے علاوہ بھی انہیں اور کئی جاگیریں ملیں۔ ناگپور میں نواب پورہ اور حسن باغ کا علاقہ بھی انھیں راجہ کی طرف سے ملا تھا۔ ان کا رہائشی مکان نواب پورہ میں تھا۔ وہیں انھوں نے ایک کنواں بنوایا تھا اور مسجد بھی تعمیر کروائی تھی جو اب تک قائم ہے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام نواب قادر علی خان اور چھوٹے بیٹے کا نام نواب تقی علی خان تھا۔

نواب قادر علی خان :

نواب قادر علی خان کو انگریزوں نے ۱۸۵۷ء کی بغاوت میں حصہ لینے کے جرم میں گرفتار کیا تھا۔ انھیں بروز جمعہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۷۳ھ مطابق ۲۹ جولائی ۱۸۵۷ء کو پھانسی کی سزا دی گئی اور ان کی بعض آبائی جاگیر کو بھی ضبط کر لیا گیا۔ غمگین ناگپوری نے اس واقعہ کو اس فارسی قطعۂ تاریخ میں محفوظ کر دیا ہے :-

چوں قادر علی خاں امیر کبیر — شد از تہمتِ اہلِ بلوہ اسیر
بجرمِ شرائت گرفتار شد — چو منصور حلاج بردار شد
دعائے شہادت براہِ خدا — شب و روز می کرد آں مبتلا
دعا شد قبول و برفعت رسید — کہ در روح و ریحان و جنت رسید
چو او کشتہ ، کشتہ براہِ خدا — ورا مردہ گفتن بود ناروا
بنزدِ خدای خود او زندہ است — زہر نعمتی رزق یابندہ است
خوش است او بجز آنکہ دادش کریم — ز انعام و اکرام و فضلِ عمیم
بود شادماں زاں کسانیکہ شاں — نہ گشتند ملحق پس از وے بآں
شدہ جائے گاہش حریمِ وصال — نہ خوف است او را نہ حزن و ملال
بد پنجہ تاریخ بست و سیوم — بجمعہ از آں وقتِ اشراق ہم
تنش بر سرِ دار ناپائیدار — روانش رواں شد بدار القرار
چو در قوم مانیک سردار بود — چہ زیبا سرش بر سرِ دار بود
پئے سالِ تاریخ ایں دار و گیر — مدد خواستم چوں کہ از عقلِ پیر

خرد گفت ایں مصرعِ سلکِ نوز

زدارِ جفا شد ، بدار سرور ۱۲۷۳ھ

ان کی پختہ مزار سیتابلڈی کے قلعہ میں ہے۔ اس کے اطراف لوہے کا ایک مضبوط احاطہ ہے۔ اس احاطہ کے دروازے پر جو تختی ہے اس پر یہ

عبارت تحریر ہے :

"Here is the bodies of Nawab Kadir Ali Khan, grant son of Tipu Sultan and his eight associate who were hanged on the rampart of the fort, the part that these brave sons of India has played in the first freedom war 1857."

اس عبارت کے نیچے دیوناگری رسم الخط میں " نوگز علی بابا " تحریر ہے۔ یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ اول یہ کہ قادر علی خان نہ تو ٹیپو سلطان کے نواسے تھے اور نہ ہی پوتے۔ البتہ ان کے والد نواب صدیق علی خان، ٹیپو کی فوج میں ملازم تھے۔ دوم یہ کہ موصوف ولی یا بابا نہیں تھے۔ شاید نوگز علی بابا سے مراد وہ نو غازی ہوں جو قادر علی خان سمیت تختۂ دار پر لٹکائے گئے تھے اور ان سب کو اسی ایک قبر میں دفن کر دیا گیا تھا۔ چوں کہ یہ نو غازی کی قبر ہے اس لئے ممکن ہے کہ نوگز علی بابا کے نام سے مشہور ہو گئی ہو۔

نواب قادر علی خان کی صرف ایک ہی بیٹی تھی۔ اس کا نام بیت اللہ بیگم تھا۔ اس کی شادی حیدرآباد میں ہوئی تھی۔

نواب تقی علی خان :

نواب تقی علی خان کی بھی صرف ایک بیٹی دولت بیگم تھی جو ہدایت حسین (ابن امداد حسین ابن اشرف حسین صوبیدار چھند واڑہ) سے بیاہی تھی۔ اس خاتون سے دو بیٹے : قمر الدین علی خان اور غلام محی الدین علی خان ہوئے۔

یوں ناگپور میں نواب خاندان ۱۹۴۷ء تک انھی دونوں کے اخلاف سے زندہ رہا۔ ان میں قمرالدین علی خان کے تین بیٹے (امداد حسین، احمد حسین اور عبدالقیوم) اور تین بیٹیاں (آفتاب بیگم، حفیظ بیگم، اور بیگم صاحبہ) تھیں۔ جبکہ غلام محی الدین علی خان کے چار بیٹے (نواب صدیق علی خان، تقی علی خان یاسمین ابراہیم علی خان اور ہدایت علی خان) اور چار بیٹیاں (سراج بیگم، مبتہج بیگم بلقیس بیگم، شاہ بہاں بیگم) تھیں۔ یہ خاندان ۱۹۴۷ء تک نواب پورہ میں ہی آباد تھا۔ انھوں نے تقسیم وطن کے بعد پاکستان کی راہ لی اور کراچی میں آباد ہو گئے۔ یوں نواب پورہ اجڑ گیا اور اس کی بیشتر املاک تباہ و برباد ہو گئی اب صرف آثار و نشانات باقی رہ گئے ہیں۔

قمرالدین علی خان اور غلام محی الدین کے بیٹوں میں نواب صدیق علی خان نے ناگپور اور پاکستان میں غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ وہ مسلم لیگ کے نامور رہنما تھے چنانچہ ملک کی تقسیم کے بعد انہیں پاکستان میں مختلف اوقات میں کئی اعلا اور معزز عہدے ملے۔ بے تیغ سپاہی انھی کی تصنیف ہے جسے فضلی سنز کراچی نے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا ہے۔ ان کی اہلیہ خورشید آرا بیگم اچھی شاعرہ تھیں ان کا مجموعۂ کلام شعاعِ خورشید کے نام سے چھپ چکا ہے۔

ہنومیاں اور ان کا خاندان:

ہنومیاں ناگپور کی مشہور مسجد بددخاں کا مینارہ کے بانی بددخاں کے والد اور مسجد گوٹومیاں کے بانی علیم الدین عرف گوٹومیاں کے جدِ امجد تھے۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی امجد علی کے ساتھ اٹھارویں صدی کے وسط میں اورنگ آباد سے ناگپور آئے اور راجہ کے یہاں ملازم ہوئے۔ ان کا رہائشی مکان قلعہ کے سامنے واقع مسجد گوٹومیاں سے ملحق تھا۔ ان کے چار بیٹے (امام الدین۔ بددمیاں، کمھومیاں

اور گومیاں) اور ایک بیٹی تھی ۔ بیٹی شیخ غلام حسین کے بیٹے اشرف حسین (صوبیدار چھپندواڑہ) سے بیاہی تھی ۔ ان کے سب بیٹے بھوسلہ راجہ کے یہاں ملازم تھے ۔ ان میں امام الدین اور بدو میاں نے شہرت پائی ۔ [۱۷]
امام الدین کے تین بیٹے تھے : حسنو میاں ، جمال الدین اور علیم الدین (گوٹو میاں) یہ سب سپاہی پیشہ تھے اور راجہ کی ملازمت سے وابستہ تھے ۔ ان میں جمال الدین اور علیم الدین کو مقبولیت ملی ۔

جمال الدین :

انھیں رگھوجی ثالث کے دور میں عروج ملا ۔ ابتدا میں ہنگنا کے ایک فوجی دستہ کے رسالدار تھے ۔ ہنگنا اس دور میں ایک پرگنہ کا صدر مقام تھا ۔ اس کا نگراں ایک کامیشدار تھا اور ایک رسالدار کی نگرانی میں ایک دستہ فوج اس کی محافظ تھی ۔ یہ رسالدار ہنگنا سے ایک میل کے فاصلے پر داناڈونگری میں اپنی فوج کے ہمراہ رہتا تھا ۔ [۳۲]
انھوں نے ہنگنا میں اپنے قیام کے زمانے میں ۱۸۲۷ء میں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کروائی تھی ۔ غمگین ناگپوری نے اس کی تکمیل پر یہ تاریخیں کہی ہیں ۔ [۳۳]

چوں ز دست سخی عالی ہمتی — گشت ایں مسجد مبارک پایہ دار
ہر کسے نظارہ او کرد گفت — شد جمال دیں دریں جا آشکار

۱۲۴۲ھ

ہست ایں مسجد مبارک نام — در فضیلت برابر کعبہ
مرتش داں کہ ظاہر است درو — شان اقصیٰ و جوہر کعبہ
ہست محراب او حطیم تراش — منبرش ہمچو منبر کعبہ
باب وے مدخل مخازن فیض — در شرف ہمسر در کعبہ

چوں کہ ہستد اندریں مسجد　　　جملہ اوصاف برتر کعبہ

میتواں یافت سالِ تعمیرش

بیشک از لفظ "مظہر کعبہ"　　　۱۲۴۲ھ

مسجدِ ہذا کہ رشکِ جنت است　　　حسنِ ترکیبش بود اقصیٰ نشاں

چاہ وے چوں چاہِ غبغب خوشنما　　　حوضِ او زیبا چو چشمِ مہوشاں

ہاتف ایں تاریخ تعمیرش بگفت

جامعِ والا مراتب کعبہ شاں　　　۱۲۴۲ھ

چرا با شد نہ ایں مسجد مبارک　　　کہ از دستِ بزرگاں ابتدا یافت

غم دل دور کن غمگین میگوے　　　ایا بشرے عجب مسجد بنا یافت

۱۲۴۲ھ

ہم چو کعبہ است ایں مسجد بفضل　　　در نظامت چوں جہاں ماتم ربا

حوضِ او با چاہِ او باہم شدہ　　　آبروئے کوثر و زمزم ربا

خانقاہِ وے شد از فرطِ ضیا　　　نورِ چشمِ قصرہائے جم ربا

سیہ او چوں کرد غمگینِ بگفت

سالِ تاریخش بلفظِ "غم ربا"　　　۱۲۴۲ھ

بنگنا، شہر ناگپور سے ۳۴ کلو میٹر دور جنوب مغرب میں واقع ہے یہ مسجد آج بھی ناگپور بنگنا روڈ پر۔ بنگنا بستی سے ایک میل پہلے ایک کھیت میں روڈ سے کچھ فاصلے پر ویران اور شکستہ حالت میں موجود ہے۔

رگھوجی ثالث کے دور میں سیاسی اعتبار سے ریاست میں انگریزوں کے زبردست اثرات تھے لہٰذا جمال الدین ریذیڈنٹ جنکنس اور ریذیڈنٹ

ولڈر کے عہد میں ۱۸۲۶ء سے ۱۸۲۹ء تک ریذیڈنسی میں منشی بھی رہے تھے
بعد کو بھی وہ انگریزوں کی ملازمت سے وابستہ رہے۔ عادل ناگپوری نے ان سے وابستہ چند واقعات کو قطعاتِ تاریخ کی صورت میں محفوظ کر دیا ہے۔
ان کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۶ء) میں ایک خوبصورت اور عظیم الشان باغ تعمیر کروایا تھا۔ تحقیقِ بسیار کے باوجود بھی اس کا سراغ نہ مل سکا تاہم قطعۂ تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام "باغِ ارم" تھا۔ اس سلسلے میں عادل نے دو قطعاتِ تاریخ کہے ہیں۔ پہلا قطعہ دیکھئے۔ اس میں جمال الدین کی بارعب اور پروقار شخصیت کی عکاسی کی گئی ہے اور باغ کی تعمیر کی تاریخ بھی نکالی گئی ہے۔[۲۶]

چوں بنا کرد گلشن تازہ — فیض بخشِ جہاں و سردارم
نام نامیِ وے جمال الدین — معدنِ رافت است و کانِ ہمم
ذاتِ والائے او غنیمت داں — اندریں عصر اے خجستہ شیم
در عطا و سخا عدیلش نیست — بے نظیر است در نوال و کرم
نام حاتم شنید خلق بگوش — لیک او را بدیدہ دید عالم
کاردِ عدلِ وے ز لوحِ جہاں — گردِ محکوک حرفِ جور و ستم
گوئے سبقت ربودہ از کسریٰ — داد را داد داد آں اکرم
بہر پابوسیش بشام و سحر — قامتِ سرکشانِ دوران خم
وضع و انداز و حالِ دربارش — بہہ از الفت آنچہ می گویم
ہیچ کس ایں قدر نہ دارد تاب — پیشِ آں حضرتِ ستودہ شیم
کہ کند قیل و قالِ رندانہ — یا بہ دیگر کسے شود برہم
یا کند گفتگوئے بے انداز — یا کند در کلام طیبت ضم
از کسے ہر قدر کہ می پرسد — عرض سازد ہماں قدر آں ہم

می شناسد مزاجِ کل بضمیر
ہست حال دلش چو جامِ جم

در زباں آں عذوبتے دارد
کہ بوقتِ کلام آں ارحم

می نماید ظہورِ خویش بنات
بر زباں آیدش چو لفظِ سم

آں عنایت کہ او نمود بمن
داں نوازش کہ کرد بر حالم

گر نمایم بشرحِ آں تحریر
عاجز آید ازاں زبانِ قلم

تا کجا شکرِ آں کنم ترقیم
ہست برتر ثنائے او ز رقم

یاالٰہی بحقِ خیر الناس
شاد مانش بخلق بہ ہر دم

دامنِ گوشۂ ضمیرِ آں
پاک داری زلوثِ گردِ الم

روضۂ خاطر مبارک دے
باد محروس از خزانِ الم

بہر تاریخِ سالِ گلزارش
در گریبانِ فکر سر بردم

بجا چشمِ بلبلِ خاطر
کردایما بسال "باغِ ارم" ۱۲۶۳ھ

دوسرے قطعۂ تاریخ میں جو تفصیلات ملتی ہیں وہ باغ کی خوبصورتی اور اس کے معیار کو اجاگر کرتی ہیں۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ مختلف درختوں، پودوں اور پرندوں سے آراستہ تھا۔ اس میں نہریں رواں دواں تھیں اور اس کے درمیان ایک چھوٹا سا عظیم الشان محل تھا۔ قطعہ ہے۔ ۷۷

زہے گلشنِ رشکِ باغِ ارم
کہ مثلش ندیدہ کسے در جہاں

درختش ہمہ مثمر و بار ور
بہر سمت انہارِ آبش رواں

شمیمش معطر کنِ مغزِ دل
نسیمش نضارت دہِ باغِ جاں

خراماں لبِ نہر طاؤسِ خوش
بہارش بہارِ ریاضِ جناں

فدا بر سرِ سروِ ہر فاختہ
عنادل سرِ شاخ نغمہ کناں

بروئے روش سبزہ اش رُستن
بطوریکہ خط بر رخِ گلرخاں

چو ہر ہفت بنمودہ گلِ خویش را   نہاد آب جو آئینہ پیش آں

نہفتہ نگر حالتِ لالہ را   کہ چوں داغ در سینہ دارد نہاں

بشو دیدۂ نرگسِ مست خواب   کہ بیدار گردد ز خوابِ گراں

بہ بیں سرو را بر لبِ جوئبار   جمالِ چمن را فزودہ چساں

ز طرزش ہمیں نکتہ ظاہر شود   چو نیکو کنی غور در حال آں

بیک پائے خود ایستادہ ز شوق   پئے مقدمِ صاحبِ بوستاں

میانش یکے ہست قصرِ رفیع   کہ در جنبِ آں کاہ کوہِ گراں

دعا بہرِ ایں باغ بلبل کند   ز حق دور ایں را بنہ از خزاں

چو ہر دم سرِ خویش در جیبِ فکر   پئے سالِ ایں باغِ رشکِ جناں

دلم گفت تاریخ غیرِ حیا

بہشتِ بریں آمدہ در جہاں   ۱۲۶۳ھ

جمال الدین ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء) میں ریذیڈنٹ کی طرف سے ناگپور ریاست کے وکیل مقرر ہوئے تھے۔ اس موقع پر مجی عادل نے عیسوی، ہجری اور فصلی تاریخ بڑے اہتمام سے نکالی ہے۔ یہاں صرف ایک قطعہ تاریخ نقل کیا جاتا ہے جس کے آخری مصرع سے ہجری سن برآمد ہوتا ہے: ۱۲۶۸ھ

جمال الدین صاحب بر وکالات   مشرف گشت چوں از خلعتِ نو

ریاضِ خاطرِ جمعِ احبا   مطرا گشت ز آبِ عشرتِ نو

شبستانِ امید ہر کہ و مہ   منور شد ز شمعِ بہجتِ نو

بفرقِ دوستانِ با محبت   شدہ مبسوط ظلِ رحمتِ نو

خصوصاً زیں نویدِ بہجت آگیں   شدہ ہمدوش عادل فرحتِ نو

برائے صاحبِ بختِ ہمایوں   ز ہم چشماں ربودہ سبقتِ نو

برآمد ز احتجابِ ابرِ تقدیر   جہاں افروز مہرِ شوکتِ نو

کریمِ کارسازِ جملہ عالم | کند باوے مبارک ثروتِ نو
ہوادارِ لوائے بخت گردد | زحکمِ حق ہوائے نصرتِ نو
عدو را ذلتے ہر دم فزاید | کشد بر خویش بارِ ذلتِ نو
غمِ دیرینہ در دل تازہ گردد | شود پابند دامِ زحمتِ نو
شود گر آنتی دور از عِل دے | بگردد مبتلا در آفتِ نو
در آئینہ چو بیند چہرۂ خود | نماید نکبتِ وے صورتِ نو
بیارد نخلِ امیدش برِ بد | خلد در قلب خارِ حسرتِ نو
چناں مغلوب تراکنوں بگردد | لنازد بار دیگر شعنتِ نو
جنابا گوش کن قولِ بزرگاں | کہن رسمیست ایں نے سنتِ نو
عدوے گو بحسبِ مطلبِ خویش | کند پیدا بخدمت الفتِ نو
بسایند سر بسنگِ آستانت | کہ تا مشہور گردد خلتِ نو
نماید خاکساری ہر شب و روز | نماید خویش را با الستِ نو
بحالش حسبِ ظاہر از رہِ جود | نوازش کردہ بہنے منتِ نو
وے از جبنتِ نفس آں بداندیش | نمائے از دلِ خود نفرتِ نو
بباطن بہرِ استیصالِ او کوش | بظاہر کرد باشی عزتِ نو
میانِ دولت و بدخواہ دائم | کنی خویش از فطرتِ نو؟
زیادہ زیں مکن تحریر عادل | قوے دل شود زِ خطِ ہمت نو
دعائے خیر در درگاہِ باری | نمائے از پئے ایں دولتِ نو
الٰہی تا بماند مہر بر چرخ | شود نو روز روز رفعتِ نو
مبارک بر درِ دولت سرا باد | صدائے کرنا و نوبتِ نو
بجملہ دوستانِ بارگاہش | شود کہ صبح صبحِ راحتِ نو
پئے تاریخ ایں کارِ جلیلہ | بخاطر چوں نخودم فکرتِ نو

لیکن راجہ کی خفگی کے باعث وہ چند مہینوں میں ہی اس منصب سے علاحدہ ہوگئے ان کا انجام دردناک ہوا۔

ہوا یہ کہ جب الحاق ناگپور کے بعد انگریزوں نے بھوسلہ محل کی املاک کو ضبط کرنے کی کارروائی کی تو عوام میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ اس زد پہ ۱۱ اکتوبر ۱۸۵۴ء کو جمال الدین بھی آگئے۔ وہ اپنی پالکی پر بیٹھ کر محل کے علاقے میں واقع چاندی چوک سے گذر رہے تھے کہ لوگوں نے انہیں گھیر کر خوب پیٹا[۹۹] غالباً اسی وجہ سے ان کی موت بھی واقع ہوئی۔

علیم الدین (گوٹو میاں):

امام الدین کے چھوٹے بیٹے گوٹو میاں بھی اپنے دور میں کافی مشہور تھے۔ محل کے علاقے میں ان کی تعمیر کردہ مسجد آج تک قائم ہے اور انہی کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ ان کا انتقال غالباً انیسویں صدی کی نویں دہائی میں ہوا۔ ان کے ایک بیٹے تھے مولوی عبدالجبار جو ناگپور کی عدالت میں فرسٹ کلاس مجسٹریٹ تھے۔ انھوں نے ۱۹۲۰ء میں پونا میں رحلت فرمائی۔ عبدالجبار کی صرف ایک بیٹی حفیظ بیگم تھی جو لاولد فوت ہوئی۔

بدو میاں:

بنو میاں کے بیٹے بدو میاں کا بھی راج دربار سے تعلق تھا۔ ان کا رہائشی مکان فصیل بند شہر کے جنوبی حصہ میں تھا۔ ان کے رگھوجی ثانی کے حقیقی چھوٹے بھائی کھنڈوجی عرف چمن جی بھوسلہ (ف ۱۶ اگست ۱۷۸۹ء) سے گہرے مراسم

تھے۔ مسجد بدر خان کا منارہ کی تعمیر ان کا ایک روشن کارنامہ ہے۔ انھوں نے یہ مسجد ۱۸۱۴ء کے آس پاس بنوائی تھی۔ ۸۰ھ

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہنومیاں کا خاندان عہد بھوسلہ میں معزز و ممتاز تھا۔ وہ خان کے خطاب سے سرفراز تھا۔ انھیں مختلف اوقات میں کئی جاگیریں ملیں۔ ان کی ایک جاگیر سیونی (تحصیل امرٹی، ضلع ناگپور) میں بھی تھی۔ ان کے شہر میں کئی مکانات تھے۔ لیکن اب یہ سب کچھ تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ اس خاندان کا کوئی نام لینے والا بھی باقی نہیں رہا۔

الف الدّین :

ڈاکٹر آر کے دوبے نے اپنی تحقیقی کتاب بھوسلہ راجہ رگھوجی سکنڈ آف ناگپور میں رگھوجی ثانی کے انتظام حکومت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے جن عہدیداروں کے نام بتائے ہیں اس فہرست میں الف الدین بھی شامل ہیں۔ وہ فراش خانہ اور اونٹ خانہ کے نگراں تھے۔ یہ پورا محکمہ انھی کے ماتحت تھا۔ ۸۱ھ

قاضی محمد شمس الدین کے بیان کے مطابق الف الدین عربی النسل تھے۔ وہ اورنگ آباد سے ناگپور آئے تھے۔ رگھوجی ثانی کے انتقال کے بعد مسند نشینی کے معاملہ میں انھوں نے آپا صاحب کے مقابلہ میں پرسوجی کی حمایت کی تھی۔ چنانچہ جب آپا صاحب حکمراں ہوا تو اس نے ان پر شدید مظالم ڈھائے جس سے تنگ آکر انھوں نے کنویں میں چھلانگ لگادی اور خود کو ہلاک کر دیا اس واقعہ کے بعد ان کا خاندان منتشر ہو گیا۔ ۸۲ھ

ان کی رہائش گاہ مسجد الف الدین کے قریب تلسی باغ میں تھی۔ مذکورہ مسجد بھی انھی کی تعمیر کردہ ہے جو اب تک ان کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

صادق سوبھالدار :

رگھوجی ثانی کے عہد میں دکن سے ناگپور آئے۔ وہ بھی عربی النسل تھے۔ ابتدا میں فوج میں جمعدار کے منصب پر فائز ہوئے۔ بعد کو انھیں زبردست ترقی اور عروج ملا۔ ۸۳ء رگھوجی ثانی کے انتقال کے بعد جب اس کا مفلوج اور نابینا بیٹا پرسوجی حکمراں ہوا تو وہ اس کے محافظ خاص مقرر کیے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ پرسوجی کی وفات کے بعد آپا صاحب کے عتاب کا شکار ہوئے۔ اس نے ان سے بھرپور بدلہ لیا۔ انھیں گرفتار کر کے چاندہ کے قلعہ میں قید کر دیا اور ان کی جاگیر و املاک کو ضبط کر لیا۔ یوں ان کا خاندان درہم برہم ہو گیا۔ ان کی رہائش گاہ جوہری پورہ میں تھی۔ بھالدار پورہ کا علاقہ انھیں جاگیر کے طور پر ملا تھا۔

مرزا مراد بیگ :

یہ بھی رگھوجی ثانی کے عہد میں اورنگ آباد سے ناگپور آئے تھے۔ یہاں انھیں ان کی خداداد صلاحیت کی بنیاد پر بلند مرتبہ ملا۔ وہ شکارخانہ کے نگراں تھے۔ چوں کہ پرسوجی کے حامیوں میں ان کا بھی شمار تھا۔ اس لئے آپا صاحب نے ان کے ساتھ بھی انتقامی کارروائی کی جس سے مجبور ہو کر انھوں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ ۸۴ء

میر عزیز :

عہد بھوسلہ میں جن لوگوں کو عزت ملی ان میں میر عزیز کا نام بھی شامل ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت زید شہیدؒ سے ملتا ہے۔ ان کے والد کا نام میر محمد یوسف تھا۔ ان کے اجداد عہد مغلیہ میں ایران سے ہندوستان آئے اور بارہہ (ضلع مظفرنگر) میں آباد ہوئے۔ بعد کو اسی خاندان کے بعض افراد دہلی منتقل ہوئے اور چتلی قبر

میں محلہ عاشق کا کوچہ میں سکونت اختیار کی۔ میر محمد یوسف انھی کی اولاد میں تھے ان کے چار بیٹے تھے: میر سعید، میر برات، میر منو اور میر عزیز جو اپنے والد کے انتقال سے کچھ دن پہلے ۱۷۴۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۸۵ھ

میر عزیز جب سن شعور کو پہنچے تو انھوں نے فکر معاش میں دہلی کو چھوڑا اور شاہ صاحب سے بارہ سال تک فن سپہ گری کی تعلیم حاصل کی اس میں مہارت حاصل کرنے کے بعد راجہ گوالیار کی فوج میں ملازم ہوئے۔ وہاں سے پونا آئے اور راجہ کے مصاحبین میں شامل ہوئے۔ کچھ عرصے بعد پونا کی ملازمت بھی چھوڑ دی اور حیدرآباد چلے آئے۔ حیدرآباد سے ناگپور کا رخ کیا اور یہاں مستقل آباد ہوئے۔

انھوں نے ناگپور میں پہلے سجن گلزار کی تکیہ (دیوان شاہ کا تکیہ) میں قیام کیا۔ اس وقت یہاں جوہر شناس راجہ رگھوجی ثانی (۱۷۸۸ء - ۱۸۱۶ء) کی حکومت تھی۔ اس نے ان کی سپاہیانہ لیاقت کا اعتراف کر کے انھیں ۲۷ ہزار کی جاگیر مرحمت فرمائی۔ قلعہ کے سامنے محل کے علاقہ میں رہائش کے لئے جگہ دی۔ اور اپنے یہاں ملازم رکھا۔ یہاں انھوں نے اپنے کارناموں سے عزت حاصل کی۔

رگھوجی ثانی کے انتقال کے بعد آپا صاحب نے ان کی جاگیر ضبط کرلی تھی لیکن ۱۸۱۸ء میں اس کے معزول ہونے کے بعد جب رگھوجی ثالث (۱۸۱۸ء - ۱۸۵۳ء) حکمراں ہوا تو اس نے ان کے منصب و جاگیر کو پھر بحال کر دیا۔ اب وہ ۵۰۰ سواروں کے حاکم بنائے گئے اور ان کے اخراجات کے لئے ۱۷۰۸ روپے ماہانہ مقرر کیا گیا۔ علاوہ ازیں ہاتھیوں اور پالکیوں کے اخراجات کے لئے موضع ہیوتی (امریڑ، ناگپور) بطور جاگیر عطا کیا گیا۔ بعد کو جب راجہ کی فوج انگریزوں کے طرز کے مطابق ترتیب پائی تو انھیں ۸۰۰

سواروں کا حاکم اور ایک جمعدار اور دو دفعدار کا نگراں بنایا گیا اور ان کی برطرفی و بحالی کا اختیار بھی دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد فوج میں تخفیف ہوئی تو صرف پچاس سواروں کے حاکم رہ گئے۔ انھیں ۲۵ روپے فی سوار کے حساب سے ماہانہ ملنے لگا۔ انگریزوں نے ان کے لئے الحاق ناگپور کے بعد ۸۰۰ روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ انھوں نے ۱۰۸ سال کی عمر میں ۱۸۵۷ء میں رحلت فرمائی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے اخلاف کو عرصہ دراز تک چار سو روپے ماہانہ پنشن ملتی رہی۔ ان کی پختہ مزار ان کے ذاتی قبرستان واقع مرچی بازار چوک اتواری میں سبحانیہ گرلس ہائی اسکول کے پیچھے اب تک موجود ہے۔

میر عزیز کے کل بارہ بیٹے تھے: نبی مرزا، میر خیرات علی، میر منو، میر احمد علی میر علی، میر لطف علی، میر محسن علی، میر ناصر علی، میر مدد علی، میر برات علی، میر سعادت علی اور میر مردان علی، ان کے اخلاف محل، مرچی بازار چوک اور بکرا منڈی (مومن پورہ) میں آباد ہیں۔

میر عزیز کے تین بھائی اور تھے: میر سعید، میر برات اور میر منو۔ جب ناگپور میں میر عزیز کا ستارہ چمکا تو یہ تینوں بھائی بھی ناگپور میں آباد ہو گئے۔ میر سعید راجہ بھوسلہ کے یہاں ۵۰۰ روپے ماہانہ پر ملازم تھے۔ ان کا انتقال میر عزیز کی زندگی میں ہوا۔ میر برات علی بھی ۵۰۰ روپے ماہانہ پر ملازم رہے۔ انھوں نے بھی یہیں رحلت فرمائی اور میر منو مجذوب صفت انسان تھے۔ وہ بھی ناگپور میں مقیم رہے لیکن ان کا انتقال دہلی میں ان کے آبائی مکان میں ہوا۔

میر عزیز کی جاگیر اور ان کی تعمیرات کے آثار مرچی بازار چوک اتواری ناگپور کے اطراف اب تک نظر آتے ہیں۔ ان کی تعمیر کردہ مسجد لب سڑک واقع ہے۔ یہ مسجد میر عزیز کہلاتی ہے۔ قبرستان اور امام باڑہ سبحانیہ گرلس ہائی اسکول کے پیچھے ہے۔ قبرستان کا سلسلہ ریلوے لائن کے دوسرے سرے تک

چلا گیا ہے۔ اب یہ علاقہ تنظیم کہلاتا ہے۔ مسجد سے متصل میر عزیز کے رہائشی مکانات تھے۔ ان کے کچھ آثار ملتے ہیں۔ ویسے اس علاقے میں اب مسلمانوں کی گنجان آبادی ہے۔

امام خان :

امام خان بھی بھوسلہ راجہ کے یہاں ملازم تھے۔ انھوں نے ناگپور میں نعل صاحب کی بنیاد ڈالی۔ ان کے والد کا نام فاضل خان تھا۔ ان کا خاندان اٹھارویں صدی کے وسط میں ناگپور آیا۔ ۱۷۵۶ء

نعل صاحب کی تاریخ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخری دہائی میں امام خان حیدرآباد گئے اور وہاں کے بڑے نعل صاحب کا صندل اپنے ساتھ لائے۔ انھوں نے اس کو پہلی مرتبہ سیتابلڈی میں اس مقام پر بٹھایا جہاں چھاؤنی میں عرب فوج رہا کرتی تھی۔ جب ۱۸۱۷ء میں سیتابلڈی کی لڑائی کے بعد ناگپور میں انگریزوں کا سیاسی تسلط ہوا تو سیتابلڈی سے بھوسلہ راجہ کی فوجی چھاؤنی ہٹا دی گئی اور فوجیوں کے رہائشی مکانات بھی منہدم کر دیے گئے۔ اس انہدامی کارروائی میں وہ مکان بھی ٹوٹ گیا جس میں نعل صاحب کو ہر سال محرم کے مہینے میں بٹھایا جاتا تھا۔

اس مکان کے انہدام کے بعد رگھوجی ثالث کے عہد (۱۸۱۸ء - ۱۸۵۳ء) میں ہنسا پوری کے علاقہ میں وہ مکان تعمیر کیا گیا جس میں آج بھی محرم میں نعل صاحب کو بٹھایا جاتا ہے۔ اس دور میں امام خان کے بیٹے فاضل خان نے نعل صاحب کو بٹھانے کا اہتمام کیا۔ وہ رگھوجی ثالث کے حقہ بردار تھے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے برہام خان اور عنایت خان یکے بعد دیگرے اس روایت کی تکمیل کرتے رہے۔ عنایت خان کے انتقال کے بعد برہام خان کا نواسہ یہ کام انجام دیتا رہا۔ ان کے زمانے میں فروری ۱۸۷۳ء میں چھ میل پر مشتمل

نعل صاحب کا جدید مکان راجہ جانوجی ثانی (ف: ۱۸۸۱ء) کی طرف سے تعمیر ہوا۔ آج بھی اسی مکان میں نعل صاحب کو ہر سال محرم میں بٹھایا جاتا ہے۔

محمد ناصر خان حشمت :

حشمت کے آباؤ اجداد مصطفیٰ آباد (رام پور) کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام محمد یوسف خان تھا۔

انھوں نے اخوند زادے عبدالاحد خان سے کتب درسیہ پڑھیں۔ بعد کو راجہ رگھوجی بھوسلہ کے یہاں ملازم ہوئے اور ترقی کر کے رسالدار کے منصب کو پہنچے۔ انھوں نے ۷۰ سال کی عمر میں ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں رحلت فرمائی۔ اس حساب سے ان کا سن پیدائش ۱۱۹۰ھ (۱۷۷۶ء) ہوتا ہے۔

حشمت بنیادی طور سے مذہبی انسان تھے۔ انھیں شاعری سے گہری دلچسپی تھی۔ اس میں سید رفیع الدرجات نزہت رام پوری کے شاگرد تھے۔ انھوں نے فقہی مسائل پر مشتمل اردو نظم میں ایک کتاب کنز العابدین ۱۲۳۵ھ (۱۸۱۹ء) میں لکھی تھی۔ اس کا خطبہ، حمد و نعت عربی میں ہے اور اس کی نثر فارسی میں ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب کے ماخذ میں نام بنام ۵۷ کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ اس کے دیباچے میں اپنا اور اپنے والد کا نام لکھا ہے اور اپنے استاد کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے :

"حضرت مولانا عارف باللہ عبدالاحد خان قاضی زادہ کنجورہ قدس اللہ سرہما"

اس میں کل ابواب اور فصول کی تفصیل بھی ملتی ہے۔ ۸۵۲ صفحات پر مشتمل یہ مخطوطہ ریاست رام پور کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے : ؎

حمد کہتا ہوں تری اے ذوالجلال ‏ ‏ ‏ ذات تیری لم یزل ہے لایزال
کل شئی ھالکٌ الا تو ئی ‏ ‏ ‏ لیس فیہا مالکٌ الا توئی
کر دیپدا ایں جہاں وآں جہاں ‏ ‏ ‏ نیز کل مخلوق در یک کن ذکاں
تو ہے دانا جملہ اخفا و جلی ‏ ‏ ‏ جو کہ کرتے ہیں گے جن و آدمی
بھید سب خلقت کا ہے تجھ پر عیاں ‏ ‏ ‏ من چہ گویم اے علیم دو جہاں

اور خاتمہ ان شعروں پر :

اختتام اس کا ہوا اہل نجات ‏ ‏ ‏ روز شنبہ کے بشہر شب برات
دو از دہ پنتیس سن میں اہل دیں ‏ ‏ ‏ اور نام اس کا ہے کنز العابدین
جو کوئی اس کو پڑھے اور یا لکھے ‏ ‏ ‏ وہ دعا حق میں مصنف کے کرے
شیخ من عبد الاحد ذو برکت ست ‏ ‏ ‏ اسم من ناصر، تخلص حشمت ست

مصطفیٰ آباد جائے مسکنم
آبا و اجداد آں متوطنم

امیر مینائی نے بھی یادگار شعرا میں حشمت کا مختصر ساذکر کیا ہے اور ان کی فارسی شاعری کے حوالے سے ان کا یہ ایک شعر نقل کیا ہے۔ ۸۸ے

چو گفتم راز خود حشمت بفرمود
چرا ایں رسم سر گوشی بر آمد

سید محمد علی :

ناگپور کے جید عالم اور باکمال شاعر سید محمد عبد العلی عادل کے والد تھے۔ ان کے والد کا نام سید لطیف علی تھا جو ریاست میسور کے زوال کے بعد ناگپور آئے اور یہاں مستقل آباد ہوتے۔

سید محمد علی، راجہ رگھوجی ثانی کے آخری دور (۱۷۸۸ء - ۱۸۱۶ء) میں انتظامیہ سے وابستہ ہوئے اور رگھوجی ثالث کے دور (۱۸۱۸ء - ۱۸۵۳ء) میں ترقی کر کے پہلے جمعدار اور پھر رسالدار کے منصب پر فائز ہوئے۔ عادل نے اپنی اولین ادبی کوشش شرح کریما (۱۸۳۷ء) کے مخطوطے میں ان کے نام کے ساتھ "جمعدار مغلائی" تحریر کیا ہے۔

وہ مذہبی انسان تھے۔ ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) میں بعزم حج مکۂ مکرمہ تشریف لے گئے۔ وہیں ۷ ذی الحجہ کو طوافِ کعبہ کرتے ہوئے احرام کی حالت میں ان کی موت واقع ہوئی۔ اس سانحہ کو عادل نے ان قطعاتِ تاریخ میں محفوظ کر دیا ہے۔[۸۹]

بھکہ شدہ رہ گزر والدم	پئے حجِ بیت اللہ باصفا
ارادہ بدل داشتہ بعدِ حج	ردم در مدینہ بصدقِ وفا
باحرامِ حج انتقالش شدہ	بدل ماند آں مطلب و مدعا
چو تاریخ ہفتم ز ذیحجہ شد	بذکر و بہ تہلیل وقت مسا
دلا ماندہ تا سایہ اس بر سرم	بفہمیدش دولتِ سترہا

چو رفت ایں دولتِ سالِ تاریخ شد ۱۳۰۶ - ۴۰

"شدہ داخلِ مجلسِ مصطفےٰ" = ۱۲۶۶ھ

دریغا والدم فرمود رحلت
بعزم شوقِ قبرِ شافعِ نشر
دلم تاریخ بے روئے جزع گفت
"محمد شافعِ او باد در حشر" ۱۲۶۶ھ

چوں کہ باحرامِ حج افسوس واہ	رفت سوئے باغِ جناں والدم

مصرعِ در خواستم از پیرِ عقل　　بہرِ سنِ رحلتِ آں محترم
گفت کہ بے جاں شدہ از رحلتش
"ہوش و نسن، فہم و ذکا و کرم" ۱۲۶۶ھ

اس قطعۂ تاریخ میں بے جان کی رعایت سے د۔ س۔ ہ۔ ک۔ ر کے اعداد کا تخرجہ ہے۔

ان کی شادی مولوی فرحت اللہ (متولی جمعہ مسجد) کی بیٹی سے ناگپور میں ہوئی تھی۔ اس نیک بخت خاتون کا انتقال ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں ہوا۔ عادل نے یہ قطعۂ تاریخ کہا: ۹۰ھ

زدنیا مادرم فرمود رحلت
بفضل خوش کنِ مغفورہ یارب
ندا آمد پئے تاریخ از کلک ۷۰+۱۲۲۰
شود با فاطمہ محشورہ یارب = ۱۲۹۰ھ

ان کے تین بیٹے تھے: سید حیدر حسین عرف محمود، سید محمد عبدالعلی عادل اور سید محمد حسین علی۔ ان میں سید حیدر حسین نے ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۰ء) میں دق کی بیماری کے باعث رحلت فرمائی۔ ان کی موت سے متاثر ہو کر عادل نے یہ تاریخ کہی: ۱۹ھ

بعزمِ راہِ عقبیٰ اخوئے من
ازیں دارِ فنا محمل بہ بستہ
سنِ تاریخ نقلش بے حیثیل دل ۱۳۱۵-۴۸
بگفتا: قوت از بازو شکستہ = ۱۲۶۷ھ

عادل نے ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۴ء) میں وفات پائی۔ جبکہ محمد حسین علی کا انتقال عادل کے بعد ہوا۔ ان میں عادل علمی اعتبار سے بلند مرتبہ تھے۔

سید محمد علی، بھوسلہ راجہ کے مقربین میں شامل تھے۔ انھیں راجہ نے بونلی (بوٹی بوری ناگپور) کا گاؤں جاگیر کے طور پر دیا تھا۔ کچھ جاگیر بھنڈارہ کے علاقہ میں بھی عطا کی تھی۔ انھوں نے بھوسلہ راجہ کے محل کے پیچھے بھوتیہ دروازے کے قریب اپنی رہائش کے لئے ایک عالیشان مکان "دارالسرور" تعمیر کروایا تھا۔ یہ آج بھی قائم ہے اور "عرب کا باڑہ" کہلاتا ہے۔ یہ زمین بھی راجہ کی عطا کردہ تھی۔ ان کا ایک مکان مہاراج گنج چھاؤنی پارڈی میں بھی تھا۔

وہ نیک سیرت، خوش اخلاق اور منکسر المزاج تھے۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ مذہبی کاموں میں پرجوش حصہ لیا کرتے تھے۔ اردو اور فارسی زبان و ادب پر عبور رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی دیانت داری کی وجہ سے راجہ کے یہاں نمایاں مقام حاصل کیا تھا۔

سید محمد عبدالعلی عادل:

عادل ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۳ء) میں ناگپور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم مدرسہ رسولہ سے حاصل کی۔ وہیں اس زمانے کے مشہور عالم نگلین اور فیض سے اکتسابِ علم کیا۔

ان کی تصانیف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھیں عربی، فارسی اور اردو زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔ اس کے علاوہ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، حکمت، صرف، نحو اور جفر جیسے دقیق علوم میں بھی مہارت حاصل تھی۔

والد کے انتقال کے بعد رگھوجی ثالث کی انتظامیہ سے وابستہ ہوئے۔ ابھی ترقی کر کے نائب رسالدار کے منصب تک پہنچے تھے کہ ۱۸۵۳ء میں راجہ کا انتقال ہوگیا اور لارڈ ڈلہوزی نے ۱۸۵۴ء میں ناگپور کو انگریزی حکومت میں شامل کر لیا۔ یوں ان کی نوکری جاتی رہی اور وہ خاندانی جاگیر کی آمدنی

بسر کرنے لگے۔

الحاق ناگپور (۱۸۵۴ء) کے بعد راجہ کی انتظامیہ کے بیشتر افراد تلاشِ معاش میں ادھر ادھر نکل گئے لیکن عادل نے ناگپور چھوڑنا گوارہ نہیں کیا بلکہ یہیں مقیم رہے۔ ان کے لئے ۱۸۶۲ء میں کچھ رقم بھی وظیفہ کے طور پر مقرر ہوئی تھی وہ جب تک زندہ رہے بھوسلہ خاندان کے ہی وفادار بن کر رہے۔ انھوں نے ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۴ء) میں رحلت فرمائی۔ ان کی قبر میڈیکل کالج کے پاس صوبیہ قبرستان میں ہے۔

ان کے چار بیٹے تھے: سید کاظم علی، سید باقر علی، سید وراثت علی اور سید حسن علی۔ ان میں سید وراثت علی نے بچپن میں انتقال کیا۔ بقیہ لڑکے گھر بار والے ہو کر فوت ہوئے۔ ان کے خاندان کے چند افراد آج بھی عرب کے باڑے میں سکونت پذیر ہیں۔

عادل ایک جید عالم اور اردو فارسی کے ایک زبردست شاعر اور انشا پرداز تھے۔ انھوں نے نظم و نثر میں کئی کتابیں لکھیں۔ ان میں شرح کریما، خزائن الاشعار، نشر المتین، سحرِ بابل، ریاض المآرب، جیش المضامین، دیوان عادل (اردو) دیوانِ عادل (فارسی) دیوانِ قصائد، دیوانِ تاریخات، نصاب گونڈی، مفتاح الفتوح، حقیقتِ خواب، نور الہدیٰ اور چہل حدیث حدیث مترجم مخطوطے کی صورت میں اب تک محفوظ ہیں۔ ان کی زندگی اور علمی خدمات پر "ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر" (ص: ۳۲ تا ۵۰) میں تفصیل سے روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

فیض محمد فیض :

فیض اپنے دور کی ایک قد آور و ممتاز شخصیت تھے۔ وہ رگھوجی ثالث کی انتظامیہ میں فوجدار تھے۔ اردو، فارسی کے زبردست عالم اور ایک اچھے شاعر تھے۔

قاضی محمد شمس الدین نے مجموعۂ تمسی (ص ۴۸۸) میں لکھا ہے کہ ان کے بزرگوں کا وطن سیونی چھپارہ (مدھیہ پردیش) تھا۔ ان کے والد عبدالقادر لوگوں میں قادر شاہ کے نام سے مشہور تھے۔ انھوں نے سیونی میں رحلت فرمائی۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام محمد اعظم اور چھوٹے بیٹے کا نام فیض محمد تھا۔ فیض اٹھارویں صدی کی آخری دہائی میں سیونی میں پیدا ہوئے۔ وہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ وہ ۱۸۲۰ء کے آس پاس فکرِ معاش میں ناگپور آئے اور راجہ بھوسلہ کے یہاں ملازمت اختیار کی۔ ذی فہم، صاحب علم اور بے انتہا قابل تھے اس لئے ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۸ء) میں فوجدار کے منصب پر مامور ہوئے۔ اس موقع پر عادل نے جو قطعۂ تاریخ کہا ہے وہ ان کی بلند پایہ علمی شخصیت کو اجاگر کرتا ہے۔ ۹۲

چوں ز فیض محمد امجد — مظہر جود، منبع ارشاد
ناظم و ناصر و فصیح زماں — بلبل گلشن سواد و مواد
قابل و فاضل و ظریف الطبع — مجمع خُلق و کانِ مہر و داد
گوہر آب دار بحر کمال — جوہر تیغ علم و استعداد
شاعران زماں ازو جویند — در فنون عروض استمداد
مصدر فیض، فیضی دوراں — یعنی فیض محمد باداد
دو یم فوجدار ایں جا شد — گشتہ سبزش نہال باغ مراد
یا الٰہی ز ذات والا ئیش — خانۂ عدل و داد باد آباد
فکر کردہ چو طبع بہر سال — ناگہاں عادل ولا بنیاد
گفت مصراع سال، غیر طمع ۱۱۹ — ۱۳۸۴-۱۱۹
"خدمتِ دو یمی مبارک باد" — ۱۲۶۵ھ

فیض الحاق ناگپور کے بعد اپنے بیٹے مولوی عبدالجبار کی تحریک پر بھوپال میں

میں جا بسے تھے جہاں وہ تحصیلدار کے عہدے پر فائز ہوئے ان کا انتقال بروز جمعہ، ۱۷ شعبان ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ء) کو ہوا۔ اس سے متاثر ہو کر عادل نے کئی قطعاتِ تاریخ کہے ہیں۔ دو قطعات دیکھئے۔ ۹۳

شبِ جمعہ و ہفدہ ماہِ شعبان
ازیں دارِ غم فیض شد واصل حق
سن انتقالش چناں گفت عادل ۱۲۸۴-۲
"بدل در دِ غم" آہ گردید ملحق = ۱۲۸۲ھ

(اس قطعہ میں آہ کے ۶ عدد الٹ کر ۲ بنیں گے)

چوں فیض محمد آہ ترحیل
بنمود ازیں سرا بفردوس
رضواں کہ برائے وصل آں داشت
صد آرزو ہوا بفردوس
سن گفت رخِ جمیلؔ، دیدہ ۱۲۸۹-۷
"اے فیض بیا بیا بفردوس = ۱۲۸۲ھ

فیض کی شادی ناگپور میں خواجہ محمد امین دفعدار رسالہ مغلائی سکہ کی بیٹی سے ۱۸۲۳ء میں ہوئی تھی۔ ان کے چار بیٹے تھے: محمد امجد عرف امجد میاں، مولوی عبدالجبار عرف اچھو میاں، محمد اکبر عرف اکو میاں اور محمد افضل عرف افضل میاں۔ ۹۴ ان کی رہائش گاہ مسجد بدو خاں کے منارے کے پاس تھی۔ ریاستی کام کاج کے علاوہ انھیں درس و تدریس سے انتہائی دلچسپی تھی چنانچہ محکمۂ فوجداری کی تعطیل کے دن تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے اور ان کی رہنمائی فرماتے۔ انھیں شاعری اور تصنیف و تالیف سے بھی مزاولت تھی۔ ان کا تخلص فیض تھا۔ عادل کے ایک قطعۂ تاریخ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے اعجازِ عشق

کے عنوان سے ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ء) میں ایک مثنوی قلمبند کی تھی۔ قطعۂ تاریخ حسبِ ذیل ہے: ۹۵ے

ساختہ تصنیف چوں با حسنِ فکر
نو کتابے فیض سرفرازِ عشق
طبعِ عادل سالِ تاریخش بگفت
یافتہ انجامِ حسن، اعجازِ عشق ۱۲۶۱ھ

ان کے بیٹوں میں محمد امجد اور عبدالجبار اپنے دور میں کافی مقبول ہوئے۔

محمد امجد:

صاحبِ علم اور صاحبِ منصب تھے۔ بھنڈارہ میں سررشتہ دار تھے لیکن بدعنوانی کے باعث نوکری سے معزول کر دیئے گئے تھے۔ الحاقِ ناگپور کے بعد جب ان کا خاندان بھوپال منتقل ہوا تو وہ بھی بھوپال گئے جہاں محکمۂ مناصب کے مہتمم مقرر ہوئے۔ ۹۶ے

ان کے عادل سے گہرے مراسم اور دوستانہ تعلقات تھے۔ ان کی شادی کے موقع پر عادل نے ایک بے مثال قطعۂ تاریخ کہا ہے جو ان کے مجموعۂ کلام جیش المضامین کے ص: ۱۴۰ پر اور دیوانِ تاریخات کے ص: ۹ پر ملتا ہے۔ اس قطعۂ تاریخ سے ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) برآمد ہوتا ہے۔ دیکھئے۔

۲ درِ قلزمِ فکرت نکتہ دانی ۱۰ — ۲ ببزمِ سخن شمعِ لطفِ معانی ۱۰
۲۰۰ ریاضِ کرم را گلِ تازہ و تر ۲۰۰ — ۳۰ لطیف المزاج امجدِ نیک منظر ۲۰۰
۲ بر نخلِ باغِ کمال است الحق ۲۰۰ — ۳ جمیلِ جہاں شاکرِ نعمتِ حق ۱۰۰
۲ با اخلاقِ احسن، حمیدِ زمانہ ۵ — ۲ بعلم و عمل در زمانہ یگانہ ۵
۷ زِ صد جاں کمر بر شریعت بہ بستہ ۵ — ۲ بہ تختِ عروسی مربع نشستہ ۵

۲	دلِ دوستاں شادگردید بیشک	۲۰	۵۰	ندانم چہ دولت رسیدہ بہ ہر یک	۲۰
۶۰۰	خدایا بالطاف فیض محمد	۴	۲	بنہہ شاد دارا با اخلاق امجد	۴
۵۰	نگہدار او باش ز آفاتِ دوراں	۵۰	۲	بنہہ سایۂ والدش بر سر آں	۵۰
۲	بپئے سالِ تاریخ ایں کار خوشتر	۲۰۰	۲	بجیب تفکر چو بردم فرو سر	۲۰۰
۳۰۰	شنیدم کہ قمری ہمیں گفت ہر دم	۴۰	۲	بشمشاد گر دیدہ پیوند سر دم	۴۰
۱۱۷۱		۴۳۴	۹۷		۴۳۴

۱۱۷۱ + ۹۷ = ۱۲۶۸ھ

۴۳۴ + ۴۳۴ = ۱۲۶۸ھ

بشمشاد گردیدہ پیوند سر دم = ۱۲۶۸ھ

جب امجد اپنے خاندان کے ساتھ بھوپال چلے گئے تو عادل نے بذریعہ خط و کتابت ان سے تعلقات استوار رکھے۔ عادل کے فارسی خطوط کے مجموعہ نثر المتین میں ان کے نام ۱۸ طویل خطوط ملتے ہیں۔

مولوی عبد الجبّار:

ان کی ولادت ۱۸۲۷ء کے آس پاس ناگپور میں ہوئی۔ انھوں نے عربی فارسی کی تعلیم والد سے حاصل کرنے کے بعد مولوی عبد العظیم خان رامپوری سے علم حدیث سیکھا۔ مولوی عبد العظیم خان، رام پور سے رگھوجی ثالث کے دور میں ناگپور آئے تھے اور یہاں مستقل آباد ہو گئے تھے۔ انھوں نے یہیں مرزا فرزند علی بیگ کی بہن سے شادی کی تھی۔

مولوی عبد الجبار علم حدیث کی اعلا تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جوانی میں بھوپال پہنچے۔ وہاں انھوں نے متعدد علمائے کرام سے حدیث کی اعلا تعلیم حاصل کی اسی اثنا میں ریاست بھوپال کے مدار المہام منشی جمال الدین سے ان کے

تعلقات قائم ہوئے جو رفتہ رفتہ گہرے ہوگئے۔ چنانچہ بعد کو انھیں کی تحریک پر بھوپال میں ہی مقیم ہوگئے۔

انھوں نے الحاق ناگپور کے بعد اپنے والدین اور بھائیوں کو بھی بھوپال بلوالیا اور منشی جمال الدین سے سفارش کر کے اپنے والد کو تحصیلدار کا منصب دلوایا اور اپنے بھائیوں کو عزت سے سرفراز کروایا۔ انھیں کی بدولت ان کا کوئی بھائی حافظ قرآن، کوئی منشی بے بدیل اور کوئی قابل فاضل تھا۔

مولوی عبدالجبار مذہبی انسان تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے بے حد پابند تھے۔ انھوں نے اپنے والد کے ساتھ فریضۂ حج بھی ادا کیا تھا۔ خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ ایرانیوں کے لہجے میں فارسی میں بے تکان گفتگو کرتے تھے۔ اچھے مقرر بھی تھے۔ انھوں نے ۲۹ شعبان ۱۲۹۴ھ (۱۸۸۳ء) کو بھوپال میں رحلت فرمائی۔ قاضی محمد شمس الدین کی کتاب مجموعۂ شمسی میں ان کے حالات کے علاوہ ان کی ایک نعت بھی محفوظ ہے یہاں اس کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں: ۹۷

عشاق بصد شوق ہیں شیدائے مدینہ
رکھتے ہیں شب و روز تمنائے مدینہ

دل ہے ہمہ تن وقف تمنائے مدینہ
مشتاق و سراسیمہ و سودائے مدینہ

کیوں فخر مدینہ کو نہ ہو باغِ جہاں پر
ہیں فخرِ دو عالم چمن آرائے مدینہ

ہے مظہرِ اخلاقِ کریمہ کا جو مدفن
اخلاق مجسم ہے سراپائے مدینہ

اکسیر ہے اور محل جواہر سے ہے بہتر
یہ گرد و غبار درِ مولائے مدینہ

سرتاجِ جہاں کے جہاں آثارِ قدم ہیں
ہے دلکش و پُرنور وہ صحرائے مدینہ

بہتر ہے مجھے سلطنتِ روئے زمیں سے
تھوڑی سی بھی مل جائے اگر جائے مدینہ

مژگان رہے جاروب کشِ روضۂ اطہر
اور دیدۂ پرآب ہو شقلائے مدینہ

عاجز کی دعا ہے یہ شب و روز خدا سے
مل جائے الٰہی مجھے کل جائے مدینہ

غلام رسول غمگین :

رگھوجی ثالث کے دور میں پہلے مہاراج گنج چھاؤنی پارڈی میں تھے۔ بعد کو جیل خانے کے علاقے کے کوتوال بنائے گئے ان کے پاس یہ منصب الحاق ناگپور کے بعد تک رہا۔ موصوف عربی، فارسی کے ایک زبردست عالم، شاعر اور انشا پرداز تھے۔ روحانی دنیا کے ایک باکمال صوفی بھی تھے۔ ریاست میسور کے زوال کے بعد اپنے خاندان کے ہمراہ کرناٹک سے ناگپور آئے اور یہاں مستقل آباد ہوئے۔

کٹر مذہبی انسان اور حافظ قرآن تھے۔ صوم وصلوٰۃ کے بے حد پابند تھے۔ انھیں حج کی سعادت بھی نصیب ہوئی تھی۔ انھوں نے فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد حضرت امام حسین اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روضے کی زیارت بھی کی۔ اس سفر کا حال ان کی غیر مطبوعہ تصنیف "ملہمات فیض آیات" میں شامل بعض نظموں میں ملتا ہے۔ یہ نظمیں مثنوی کے طرز پر آسان فارسی میں ہیں اور ان کے مذہبی جذبات کی آئینہ دار ہیں۔

انھیں تصوف وسلوک سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ اس میں شاہ محی الدین بادشاہ (ف: ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء) کے مرید تھے۔ علمی اعتبار سے ان کی شخصیت بڑی پہلو دار تھی۔ وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں عمدہ نثر لکھتے تھے۔ ان کی تصنیف ملہمات فیض آیات میں ان کی فارسی انشا پردازی کے متعدد نمونے موجود ہیں۔ انھیں شاعری سے بھی فطری مناسبت تھی۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ان کا کلام ملہمات فیض آیات میں ملتا ہے۔ شاعری میں وہ مولانا عماد الدین زیب کے شاگرد تھے۔ ان کے انتقال کے بعد شیخ محب الحق شرف سے استفادہ کیا۔

انھوں نے ۱۸۷۰ء کے آس پاس بھوپال ہجرت کی جہاں بروز پیر، یکم شعبان ۱۲۸۸ھ (۱۶ اکتوبر ۱۸۷۱ء) کو ۸۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ عادل نے

ان کے انتقال سے متاثر ہوکر کئی قطعات تاریخ کہے ہیں۔ یہاں صرف تین قطعاتِ تاریخ نقل کیے جاتے ہیں: ۹۹ء

جناب مولوی حاجی رسول نیک خصال
نمود نقل ز دنیا بخلد در بھوپال
نوشت مصرعِ تاریخ خامۂ عادل
"نُهفت زیرِ زمیں مہرِ اوجِ عز دکمال" ۱۲۸۸ھ

قبلۂ من، مولوی حاجی رسول — اے وجودش مظہرِ کشف و شہود
بایزیدآسا بروئے طالبین — بابِ اسرارِ طریقت می کشود
یکم شعباں، بحکم کبریا — نقل از دنیا بسوئے جنت نمود
فکرِ عادل مصرعِ تاریخ گفت
"دُر تصوف صوفیِ سرمد آہ بود" ۱۲۸۸ھ

مولوی حاجی رسول مقتدائے مومنیں
چوں ازیں عالم بسوئے جنت الماوا برفت
روز دوشنبہ یکم از ماہ شعبان بود آہ
در تمنائے حضورِ حضرتِ مولا برفت
سالِ تاریخِ مسیحی خامۂ عادل نوشت
مقتدائے و رہبرِ کل حیف از دنیا برفت ۱۸۷۱ء

عادل نے نگین کی تعریف و توصیف میں ۸۳ اشعار پر مشتمل ایک پر زور قصیدہ بھی لکھا ہے جو ان کے دیوانِ قصائد (ص: ۸۳ تا ۸۷) میں موجود ہے۔ اس کی ابتدا میں یہ سرنامہ ہے۔

قصیدہ ثلاث عشرہ فی مدح مرشدی، استادی، مخدومی مولوی، حافظ، قاری، واعظ زودار، شاعر یکتا، منشی بے ہمتا عابدِ شب زندہ دار، زاہد یکتائے روزگار، ظریف الطبع، شیریں مقال، مفتی بلدۂ ناگپور و شہر بھوپال، مولانا با الفضل اولانا جناب حاجی غلام رسول صاحب۔

ہم نے اپنی تصنیف ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر میں ان کے حالات لکھے ہیں اور ان کے اردو کلام کا نمونہ بھی دیا ہے۔

فیض الدین خان:

فیض الدین خان بھوسلہ فوج میں دفعدار رسالہ تھے۔ انھوں نے ۱۸۵۳ء میں رحلت فرمائی۔ عادل نے ان کی وفات سے متاثر ہو کر جو قطعہ تاریخ کہا ہے، وہ دیوانِ تاریخات کے ص: ۱۳۲ اور جیش المضامین کے ص: ۲۸ پر درج ہے۔ قطعہ تاریخ یہ ہے۔

چوں سوئے گلزار جناں، طاؤسِ باغِ امتناں
اوستاد فیض الدین خاں، رحلت نمودہ ایں جہاں
بہر سنین عیسوی، فکر دلِ من ناگہاں
آوردہ ایں مضموں زادج "افسوس فیض الدین خاں" ۱۸۵۳ء

مہدی حسین:

رگھوجی ثالث کے عہد میں سررشتہ دار کے منصب پر مامور تھے۔ ذی وقار اور عالی مرتبت تھے۔ جب ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۶ء) میں ان کے گھر بیٹا پیدا ہوا تو عادل نے اس موقع پر ایک طویل قطعہ تاریخ کہا تھا۔ یہ ان کے مجموعۂ کلام جیش المضامین

کے ص: ۲۱ پر اور دیوانِ تاریخات کے ص: ۲۸ پر درج ہے۔

نواز خان:

رگھوجی ثالث کے آخری دور میں جمعدار کے عہدے پر فائز تھے۔ ان کی شادی ۱۸۵۶ء میں ہوئی تھی۔ اس موقع پر عادل نے جو قطعۂ تاریخ کہا ہے وہ دیوانِ تاریخات کے ص: ۳۲ پر ملتا ہے۔

مشفق من نواز خاں صاحب
کتخدا گشت چوں بفضل خدا
از زبانِ سالِ عیسوی عادل ۱۷۹۶+۶۰
گشت نوشہ نواز خاں گفتا = ۱۸۵۶ء

محمد سبحان خان:

شاہی امام حافظ ولی خان کے بیٹے تھے۔ رگھوجی ثالث کی انتظامیہ میں جمعدار کے منصب پر مامور تھے۔ حافظ محمد عثمان خان انفی کے بیٹے تھے جو جدامجد حافظ ولی خان کے انتقال کے بعد شاہی امام مقرر کیے گئے تھے۔

گل محمد:

رگھوجی ثالث کے عہد میں ملتان سے ناگپور آئے۔ ایک ماہر شہسوار تھے۔ لہٰذا یہاں ان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور صوبیدار کے منصب پر مامور ہوئے۔ انھیں رہائش کے لیے نفل صاحب کے علاقہ میں زمین ملی تھی۔ ان کا عالی شان مکان صوبیدار ہاؤس کہلاتا تھا۔ اب اسی میں شمس گرلس ہائی اسکول جاری ہے۔

گل محمد الحاقِ ناگپور کے بعد انگریزوں کی ملازمت سے وابستہ ہو گئے تھے۔ انھیں

اس دور میں پولس انسپکٹر کا مرتبہ حاصل تھا۔ ان کی وفات ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۳ء) میں ہوئی۔ عادل نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

آشنائے من کہ اہل اللہ بود　　رفت از دنیا سوئے دارالسلام
عادلِ غمگیں بتازی سال گفت　　مات اہل اللہ فی شہر الصیام

ان کے تین بیٹے تھے: عبدالصمد، عبدالجلیل اور عبدالعزیز۔ شمس گرلس ہائی اسکول اسی خاندان کی خواتین کا کارنامہ ہے۔

محمد سعدالدین:

جھجھر (ہریانہ) کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام محمد قطب الدین تھا جو اپنے دور میں جھجھر کے ایک مشہور و معروف قاضی ہوئے ہیں۔

قاضی محمد شمس الدین کی کتاب مجموعہ شمسی (ص: ۵۵ تا ۵۸) سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ محمد سعدالدین، رگھوجی ثالث کے عہد حکومت (۱۸۱۸ء - ۱۸۵۳ء) میں ایامِ جوانی میں ناگپور آئے اور راجہ کے یہاں ملازم ہوئے۔ انتہائی قابل اور ذہین تھے۔ علمی استعداد اچھی تھی لہذا بہت جلد ترقی کر کے فوجدار کے منصب پر مامور ہوئے۔ انھیں ناگپور کی پولس اور فوجداری کے معاملات کا کلی اختیار تھا۔ بعد کو وہ رجب ۱۲۴۷ف (۱۸۳۹ء) میں رائے پور (ایم پی) کے صوبیدار بنا کر بھیجے گئے۔ اس منصب کے لیے راجہ نے انھیں ۹۰۰ روپے (نو سو روپے) ماہانہ اخراجات کی سند اور ایک پالکی مرحمت کی تھی۔

ان کی شادی پوسد (ضلع ایوت محل، مہاراشٹر) کے ایک جاگیر دار خاندان میں نواب محسن علی خان اور نواب حسن علی خان کی بہن کے ساتھ ۱۸۳۰ء میں ہوئی تھی۔ انھوں نے الحاقِ ناگپور کے بعد ناگپور میں رحلت فرمائی اور معصوم شاہ کی تکیہ میں سپردِ خاک کیے گئے۔ بڑی مسجد (جامع مسجد) انھی کی بنوائی ہوئی ہے۔ جسمانی

یادگار میں صرف ایک ہی بیٹا اکبر علی خان تھا جو پاپا میاں کی عرفیت سے مشہور تھا۔
اکبر علی خان کی شادی امداد حسین ابن اشرف حسین (صوبیدار چھندواڑہ) کی بیٹی
بدرالنسار کے ساتھ ہوئی تھی۔ انھوں نے فریضۂ حج بھی ادا کیا تھا۔ انہیں
انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں بغاوت کی سازش کرنے کے جرم میں پھانسی کی سزا
دی تھی اور ان کی آبائی املاک کو ضبط کر لیا تھا۔ ان کی مزار سیتا بلڈی کی ٹیکری
پر ہے۔
ان کے بھی ایک ہی بیٹے تھے اصغر علی خان جو جاگیر دار صاحب کے نام سے مشہور
ہوئے۔ اصغر علی خان کے تین بیٹے تھے رشید الدین علی خان، حفیظ الدین علی
خان، اور بشیر الدین علی خان۔ ان میں سے خاندانی سلسلہ رشید الدین علی
خان سے قائم ہے اس لئے کہ موخر الذکر دونوں بھائی لاولد فوت ہوئے تھے۔
اس وقت رشید الدین علی خان کے سات بیٹے: غازی وحید الدین علی خان،
سعید الدین علی خان، حمید الدین علی خان، شہید الدین علی خان، واحد الدین
علی خان، شاہد الدین علی خان اور مجید الدین علی خان، ناگپور اور بھلائی میں
سکونت پذیر ہیں۔

محمد صلاح الدین:

محمد سعد الدین کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ رگھوجی کی انتظامیہ کے ایک اہم فرد تھے۔
شہر کے کوتوال اور راجہ کے وکیل تھے۔ ان سے راجہ خفیہ معاملات میں صلاح مشورہ
کیا کرتا تھا۔ راجہ کے خفیہ کاغذات بھی انھی کی تحویل میں رہا کرتے تھے۔ گویا انہیں
ناگپور میں زبردست اختیار حاصل تھا۔ انھوں نے ۱۲۴۳ فصلی (۱۸۳۳ء)
میں رحلت فرمائی اور معصوم شاہ کی تکیہ میں دفن کئے گئے۔ وہ لاولد تھے۔
ان کی شادی بھی پوسد کے جاگیر دار خاندان میں نواب محسن علی خان اور نواب

حسن علی خان کی بہن کے ساتھ ۱۸۳۰ء میں ہوئی تھی۔ یوں وہ محمد سعد الدین کے ہمزلف بھی تھے۔

غلام علی :

محمد سعد الدین کے سب سے چھوٹے بھائی غلام علی ۱۲۴۰ فصلی (۱۸۲۹ء) میں جہجہر سے ناگپور آئے۔ یہاں ان کے دونوں بھائیوں کا شہرہ تھا۔ انھیں راجہ کا تقرب حاصل تھا اس لئے بہت جلد ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ انھیں محمد صلاح الدین نے اپنی زندگی ہی میں کوتوالِ شہر کا منصب دلوا دیا تھا۔

جب صلاح الدین کا انتقال ہو گیا تو غلام علی نے ان تمام اہم کاغذات کو جو صلاح الدین کی تحویل میں تھے، راجہ کے حوالے کر دیئے۔ اس ایمانداری سے خوش ہو کر راجہ نے مرحوم صلاح الدین کے تمام اختیارات بھی غلام علی کو سونپ دیئے۔ انھوں نے ابتدا میں صلاح الدین سے بڑھ کر اپنے فرائض انجام دیئے۔ ان پر راجہ بے انتہا اعتماد اور بھروسہ کرتا تھا۔ وہ خفیہ معاملات میں ان سے صلاح مشورہ کرتا تھا۔ اپنی خفیہ دستاویزات بھی انھی کی تحویل میں رکھتا تھا۔ لیکن ان کی دیانت داری بعد کو قائم نہ رہ سکی۔ وہ ۱۲۵۰ف (۱۸۴۱ء) میں بدعنوانی میں ملوث پائے گئے اور راجہ کے غم و غصہ کا شکار ہوئے۔ چنانچہ ناگپور ریذیڈنسی ریکارڈ جلد پنجم (ص: ۳) کی ایک دستاویز میں اس بدعنوانی کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے۔

"راجہ کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے امور مملکت کی طرف سے غافل تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے عوامی معاملات کے افسر پر مکمل اعتماد کرتا تھا۔ لیکن جب اس کے علم میں یہ بات آئی کہ اس کے خفیہ معاملات کے مشیر منشی غلام علی اور داداجی فرنویس خزانے کی افراتفری اور دیگر بدعنوانیوں میں ملوث ہیں تو اس نے ان دونوں

کو اپنے اعتماد سے علاحدہ کردیا اور اول الذکر کو تمام سرکاری امور سے بے دخل کر دیا''۔

اس واقعہ کے بعد غلام علی تاراج ہو گئے اور ان کی شہرت کا آفتاب گہنا گیا۔

غلام علی کی شادی حاجی زین الدین و قاضی سید امداد علی کے حقیقی چچا سید محمد شمس الدین وساکرس کی بڑی بیٹی فریدالنسا بیگم کے ساتھ ہوئی تھی۔ حکیم سید ظلل الرحمن نے اپنی کتاب حیاتِ کرم حسین کے ص: ۷۵ پر اس شادی کا ذکر کیا ہے۔ یہ چھوٹی مسجد (مسجد اہلحدیث) انھی کی بنوائی ہوئی ہے۔

ناگپور میں یہ تینوں بھائی اپنے دور کے نامور امیر کبیر تھے۔ ان کی شہرت ہر خاص و عام میں تھی۔ وہ اردو فارسی کے زبردست ماہر اور ذی علم تھے۔ یہاں انھوں نے اپنے وطن مالوف کی رعایت سے ہنسا پوری (موجودہ مومن پورہ) ڈیویژن میں ایک بڑے علاقے میں جھجھر باغ کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس میں ان کا رہائشی مکان (آئینہ محل) کنواں اور ان کی تعمیر کردہ مسجدیں اور تکیہ (قبرستان) تھا۔

موجودہ حالت کے مطابق جھجھر باغ وہی تھا۔ جہاں اب محمد علی روڈ مومن پورہ، جامع مسجد، محمد علی سرائے، مسجد اہلحدیث، مسلم لائبریری مومن پورہ، مومن پورہ اردو پرائمری اسکول، فرقانیہ مدرسہ اور مکان ملکیت جامع مسجد وغیرہ واقع ہیں۔ یہ پورا علاقہ جھجھر باغ کہلاتا تھا اور مکان صوبیدار کا باڑہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

سید محمد زین الدین :

سید محمد زین الدین رگھوجی ثالث کے عہد (۱۸۱۸ء - ۱۸۵۳ء) میں تجارہ سے ناگپور آئے۔ دربارِ شاہی سے ۱۸۱۸ء میں وابستہ ہوئے اور ترقی کی منزلیں طے کرتے ہوئے ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) میں مہاراج گنج چھاؤنی (پارڈی) میں فوجدار کے منصب پر فائز ہوتے۔ اس موقع پر عادل نے یہ قطعہ تاریخ کہا تھا: ۱۰۱ے

محب کرم گستر حال من — ترا خدمتِ تو مبارک بود
شود سبز گلزارِ اقبالِ تو — ز آبِ عنایاتِ ربِ صمد
بود عمر تو جاوداں مثلِ خضر — ز الطافِ عام خدائے احد
تو آں کار کن از سرِ نو خردی — کہ کردند راضی ہمہ نیک و بد
پئے سالِ ایں جشنِ فرحت فرز — نمودم بفکرِ رسا جد و کد

دلم گفت بے ریب ۲۱۲ سالِ مراد
ترا فوجداری مبارک شود ۱۲۶۶ھ

ان کا تعلق ساکرس (میوات) کے مذہبی اور علمی گھرانے سے تھا۔ ان کے خاندانی حالات پر حکیم سید ظل الرحمٰن نے حیات کرم حسین میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے[۱۰۲] چوں کہ سید کرم حسین سید محمد زین الدین کے بھتیجے تھے اس لیے بنیادی طور سے یہ کتاب اسی خاندان کے حالات کے گرد گھومتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زین الدین کے جد اعلا سلطان شمس الدین التمس کے عہد میں گردیز سے ہندوستان آئے اور میوات میں سکونت اختیار کی۔ ان کا نام شمس الدین داؤد ابن زین الدین تھا۔ ساکرس کے عالی مرتبت قاضی رفیع محمد عرف قاضی دسوندھی انھی کے احفاد میں تھے۔

قاضی رفیع محمد عالم دین تھے۔ وہ ساکرس میں عہدۂ قضا و افتا پر مامور تھے۔ ان کا انتقال ۲۸ شوال ۱۰۹۰ھ (۱۶۷۹ء) کو ہوا ان کے بعد ان کے بیٹے قاضی سید عنایت اللہ اس منصب پر فائز ہوئے۔ وہ علوم عقلیہ میں ممتاز تھے۔ انھوں نے عام لوگوں کی معلومات کے لئے "مسائلِ شرعیہ" قلمبند کی ان کی وفات ۲۶ ذیقعدہ ۱۱۲۵ھ (۱۷۱۳ء) کو ہوئی۔

قاضی سید عنایت اللہ کے صرف ایک ہی بیٹے قاضی حیات اللہ تھے جو اپنے والد کے بعد مسندِ قضا پر رونق افروز ہوئے۔ انھوں نے ۲۳ شعبان ۱۱۳۴ھ

(۱۷۲۱ء) کو رختِ سفر باندھا اور اپنے آبائی قبرستان میں سپردِ خاک کئے گئے۔
ان کے دو بیٹے تھے قاضی محمد زماں اور محمد مرید۔ ان میں قاضی محمد زماں حیات اللہ کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ ان کے فتاوٰں پر مشتمل کئی جلدیں آج بھی ان کے خاندان میں محفوظ ہیں۔ انھوں نے ۱۳ جمادی الثانی ۱۱۷۰ھ (۱۷۵۶ء) کو رحلت فرمائی۔
ان کے بعد ان کے بیٹے قاضی محمد رفیع نے مسند قضا و افتا سنبھالی۔ وہ علوم دینیہ کے ماہر اور علمِ معقول و منقول میں کامل تھے۔ انھوں نے بروز جمعہ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ء) کو وفات پائی۔ ان کے دو بیٹے تھے: قاضی سید محمد اشرف، اور سید محمد شمس الدین۔ یہی قاضی سید محمد اشرف، محمد زین الدین کے والد تھے۔
قاضی سید محمد اشرف سا کرس کے آخری قاضی گزرے ہیں۔ وہ مذہبی معاملات میں بہت سخت تھے۔ فرائض کی ادائیگی اور صوم و صلوٰۃ کی تلقین کرنے میں شدت سے کام لیتے تھے۔ ان کی سختی سے تنگ آکر میووں نے ان کے پورے خاندان کو ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا اور ایک رات انھوں نے ان کو اور ان کے خاندان کے بعض افراد کو بے دردی سے شہید کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۸۱۵ء کا ہے۔ اس حادثے کے بعد اس خاندان کے پس ماندہ افراد نے تجارہ (میوات) میں سکونت اختیار کی۔
ان کے دو بیٹے تھے: سید محمد زین الدین اور سید امداد علی۔ حسنِ اتفاق سے یہ دونوں اس شورش میں بچ گئے اور اپنے خاندان کے ہمراہ تجارہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ والد کی شہادت کے وقت دونوں بھائیوں کی عمر میں بڑا فرق تھا۔ سید محمد زین الدین جوان تھے۔ جبکہ سید امداد علی کم سن تھے۔ اس لئے گھر کی تمام ذمے داریاں زین الدین کے کاندھوں پر آپڑیں اور انہیں تلاشِ معاش نے گھیر لیا۔
اسی فکر میں وہ اپنے خاندان کے ہمراہ ۱۸۱۸ء میں ناگپور آئے۔ فنِ سپہ گری میں طاق

تھے۔ علم و فضل میں بھی صاحبِ کمال تھے اس لئے یہاں بہت جلد اپنا مقام پیدا کر لیا اور اپنے ساتھ اپنے خاندان کے دیگر افراد کے لئے بھی راستے ہموار کئے۔ ان کا انتقال ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۲ء) کو ناگپور میں ہوا۔ ان کی پختہ قبر تکیہ گھنگھرو شاہ میں مسجد پارذی (چھاؤنی مہاراج گنج) کے دروازے کے سامنے آج بھی موجود ہے۔ ان کی قبر سے متصل ان کے دوسرے اعزہ: غلام قادر ابن محمد اکبر (ف: ۹ ربیع الاوّل ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۲ء) اور محمد عبدالکریم ابن محمد اصغر (ف: ۴ ربیع الثانی ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء) کی قبریں ہیں۔

سید محمد زین الدین کریم النفس، وسیع الاخلاق اور نفیس الطبع تھے۔ ان کی فطرت میں استغنا اور بے نیازی تھی۔ احکام دین کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ انھوں نے ۱۸۳۲ء میں فریضۂ حج بھی ادا کیا۔

ان کی شادی تجارہ کے ایک بزرگ فخر الدین ابن معز الدین کی بیٹی ظریف النسا کے ہمراہ ہوئی تھی۔ انھیں خدا نے اولاد سے محروم رکھا تھا۔

سیّد امداد علی:

سید امداد علی، زین الدین کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ ساکرس (میوات) میں ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کی شہادت کے وقت کم سن تھے۔ اس لئے ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ان کے بڑے بھائی نے کیا اور انھیں اچھے اساتذہ سے عربی فارسی کی اعلیٰ تعلیم دلوائی۔

جب نوجوانی کی منزل پر پہنچے تو راجہ بھوسلہ کے یہاں ملازم ہوئے۔ الحاقِ ناگپور کے بعد انھوں نے اپنے وطن تجارہ کی راہ لی۔ بعد کو جالندھر (پنجاب) میں ہندوستان کی پندرہویں رجمنٹ میں شامل ہوئے۔ اس خدمت سے ۱۸۶۷ء میں سبکدوش ہوئے۔ انھوں نے ۲۵ رمضان ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) کو ۷۰ سال کی عمر میں تجارہ

میں رحلت فرمائی اور باغ مرانجی میں دفن کئے گئے۔ یہی اب ان کا خاندانی قبرستان ہے۔
سید امداد علی متقی اور پرہیزگار تھے۔ نقشبندیہ سلسلے کے ایک بزرگ حضرت عادل شاہ خان کے مرید تھے۔ ابتدائی زمانے میں وہ تجارہ کے ایک بزرگ حضرت شاہ ابوالغیث ابوالعلائی (ف: ۱۸۲۵ء) سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ شیخ بھی انھیں اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے۔

ان کی پہلی شادی شاہ ابوالغیث ابوالعلائی کی نواسی بی بی عجب دولت بنت محمد یار سے ہوئی۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ دوسرا نکاح فیاض النسا بنت حسین الدین سے ۱۸۶۹ء میں ہوا۔ ان سے ایک بیٹے کرم حسین اور ایک بیٹی انوری بیگم پیدا ہوئیں۔ یہی کرم حسین اس ملک کے ایک نامور طبیب گذرے ہیں۔ انھوں نے ۲۵ جون ۱۹۵۳ء کو رحلت فرمائی۔ حکیم سید ظل الرحمٰن کی تصنیف "حیاتِ کرم حسین" انھی کے حالات پر مشتمل ہے۔

حکیم سید کرم حسین کے دو صاحبزادے: حکیم سید عتیق القادر اور حکیم سید فضل الرحمٰن (وفات: ۱۰ جنوری ۱۹۹۴ء) تھے۔ حکیم سید ظل الرحمٰن پروفیسر شعبہ علم الادویہ، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ موخرالذکر کے صاحبزادے اور حکیم سید کرم حسین کے اکلوتے پوتے ہیں۔

قاضی نجیب الدین:

قاضی نجیب الدین بھی ۱۸۱۸ء میں اپنے خاندان کے ساتھ تجارہ (میوات) سے نقلِ مکانی کر کے تلاشِ معاش میں ناگپور آئے اور ریاستِ ناگپور سے وابستہ ہوئے۔ حکیم سید ظل الرحمٰن نے حیاتِ کرم حسین میں ان کے اور ان کے خاندان کے حالات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ۱۰۳ھ

ان کا تعلق تجارہ کے مشہور قاضی خاندان سے تھا۔ وہ قاضی محمد عطا (ف: ۱۴ رجب

۱۲۰۶ھ/ ۱۷۹۱ء) کے فرزند ارجمند تھے۔

ان کے جدِ اعلیٰ قاضی اعظم ابن قاضی ضیاء الدین عہدِ اکبری کے ایک نامور قاضی گزرے ہیں۔ انھیں شہنشاہ اکبر نے ۴ جمادی الثانی ۹۷۶ھ (۱۵۶۸ء) کو ایک فرمان کے تحت قصبہ تجارہ کے سوا دیس تین ہزار بیگھہ زمین عنایت کی تھی۔ خاندانی سلسلہ اس طرح ہے: قاضی نجیب الدین ابن قاضی محمد عطا ابن قاضی محمد ماہ (شہید: ۲۲ رجب ۱۱۷۹ھ/ ۱۷۶۵ء) ابن قاضی بدر الدین (ف: ۶ رمضان المبارک ۱۱۶۹ھ/ ۱۷۵۵ء) ابن قاضی غلام نبی الدین (ف: ۱۹ ذیقعدہ ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۷ء) ابن قاضی عبد الباقی (ف: ۳۰ جمادی الاول ۱۱۱۳ھ/ ۱۷۰۱ء) ابن قاضی محمد ابراہیم (ف: ۲۵ محرم ۱۰۷۶ھ/ ۱۶۶۵ء) ابن قاضی القضاۃ قاضی محمود (ف: ۱۰۰۵ھ/ ۱۵۹۶ء) ابن قاضی اعظم۔ ان بزرگوں کے شاہانِ وقت سے گہرے تعلقات رہے ان میں بیشتر کو فرمان کے تحت جاگیریں بھی ملیں۔ یہ تجارہ میں بلند مقام و مرتبہ کے مالک تھے۔ ان کے کارنامے تاریخ تجارہ کے ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قاضی محمد عطا کے دو بیٹے تھے: قاضی نجیب الدین اور قاضی فصیح الدین۔ جب انیسویں صدی کے اوائل میں اس خاندان کو فکرِ معاش ہوئی تو یہ دونوں بھائی ناگپور چلے آئے اور رگھوجی ثالث کی سرکار سے وابستہ ہوئے۔

ناگپور میں قاضی محمد نجیب الدین کا ستارہ خوب چمکا اور وہ بہت جلد ترقی کر کے رسالدار کے منصب کو پہنچے۔ یہیں سے وہ (۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء) میں زین الدین اور عرب الدین کے ہمراہ بعزم حج روانہ ہوئے۔ بمبئی پہنچ کر جہاز میں سوار بھی ہو گئے لیکن ابھی جہاز روانہ نہ ہونے پایا تھا کہ زحیر میں مبتلا ہو گئے اور ۱۳ شوال ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ء) کو اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انھیں ان کی وصیت کے مطابق بمبئی کے محلہ میمن واڑہ میں مسجد مولوی انس میں دفن کیا گیا۔

قاضی نجیب الدین کے دو بیٹے تھے۔ بڑے کا نام قاضی غلام محی الدین اور چھوٹے کا

محمد رحیم الدین تھا۔ قاضی بخیب الدین نے اپنی زندگی ہی میں اپنی کوششوں سے اپنے خاندان کے دیگر افراد کو معزز عہدوں پر فائز کر دیا۔ چنانچہ قاضی غلام محی الدین ناگپور کی مسندِ قضا پر فائز ہوئے اور محمد رحیم الدین رسالدار بنائے گئے۔ ان کے بھتیجے محمد امین الدین ابن محمد فصیح الدین بھی اعلیٰ عہدے پر مقرر ہوئے۔

قاضی بخیب الدین نے اپنی زندگی میں تجارہ میں اپنے بڑے بیٹے غلام محی الدین کے لئے ایک بیس بیگھہ کا باغ اور چھوٹے بیٹے محمد رحیم الدین کے لئے بارہ بیگھہ کا باغ لگوایا تھا۔ یہ دونوں بھائی اپنے والد کے انتقال کے بعد تقریباً ۱۲ سال تک ناگپور میں ہی مقیم رہے۔ انھوں نے ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۵ء) میں راجہ کی ملازمت ترک کی اور اپنے وطن تجارہ لوٹ گئے۔

محمد رحیم الدین نے مختصر علالت کے بعد ۱۴ ذی الحجہ ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۷ء) کو ۴۸ سال کی عمر میں تجارہ میں رحلت فرمائی۔ قاضی غلام محی الدین کا انتقال یکم ربیع الثانی ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ء) کو روڑی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۵۱ سال تھی۔

غلام مصطفیٰ:

ان کے پردادا قاضی غلام مرتضیٰ (ف: ۱۷۳۱ء) قاضی بخیب الدین کے دادا قاضی غلام محی الدین کے حقیقی بھائی تھے وہ علوم ظاہری و باطنی میں عبور رکھتے تھے۔ انھوں نے سید حسن رسول نما دہلوی (ف: ۱۶۹۱ء) سے علم صوری و معنوی کی تحصیل کی اور لشکر شہزادہ بہادر شاہ میں خدمت قضا پر مامور ہوئے۔ چندے نارنول میں قضات کی خدمت انجام دی۔ انھوں نے ۱۷۳۱ء میں رحلت فرمائی۔ ان کے اخلاف میں قاضی محمد متقی، معز الدین اور نور اللہ کا تذکرہ "حیاتِ کرم حسین" میں ملتا ہے[۲۰]۔

ان میں معز الدین، غلام مصطفیٰ کے دادا تھے۔ معز الدین کے دو بیٹے: امیر الدین

اور فخرالدین تھے۔ بڑے بیٹے امیرالدین، سید زین الدین کے نانا اور چھوٹے بیٹے فخرالدین، سید زین الدین کے خسر اور غلام مصطفیٰ کے والد تھے۔

غلام مصطفیٰ نیک صفت اور عبادت گزار تھے۔ وہ بھی تجارہ کے قافلے کے ساتھ ۱۸۱۸ء میں ناگپور آئے اور راجہ بھوسلہ کے یہاں ملازم ہوئے۔ انھوں نے ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۹ء) میں فریضۂ حج ادا کیا۔ الحاقِ ناگپور (۱۸۵۴ء) کے بعد تجارہ میں ایک شاندار حویلی تعمیر کروا کر سکونت اختیار کی۔ وہیں ۱۸ محرم ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) کو ان کا انتقال ہوا۔ ان کے دو بیٹے تھے: عبدالمجید اور بیاض الدین۔

تہور علی :

قاضی نجیب الدین کی خاندان کے فرد تھے۔ ان کے دادا غلام محمود، قاضی نجیب الدین کے پردادا قاضی بدرالدین کے چھوٹے بھائی تھے۔

غلام محمود ۱۷۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بیس سال کی عمر میں علومِ شریعت کی تکمیل کی۔ ماہر طبیب تھے۔ درویشوں کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ شاہ محمد تقی (فیروزپور جھرکہ) کے مرید تھے۔ بروز پیر ۱۸ شعبان ۱۱۸۳ھ (۱۷۶۹ء) کو رحلت فرمائی۔ تجارہ میں مدفون ہیں۔ ان کے دو بیٹے غلام محمد اور جمال محمد تھے۔ ان میں جمال محمد، تہور علی کے والد تھے۔ انھوں نے ۸۰ سال کی عمر میں ۲۸ شوال ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) کو رحلت فرمائی۔ [۱۰۵]

تہور علی صاحب اقبال تھے۔ انھوں نے رئیسانہ زندگی گزاری۔ وہ قاضی نجیب الدین کے ہمراہ ناگپور آئے اور راجہ بھوسلہ کے یہاں ملازم رہے۔ الحاق ناگپور کے بعد پھر تجارہ میں سکونت اختیار کی۔ وہیں ایک سال بعد ۱۳ ربیع الاول ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ء) کو رحلت فرمائی اور بڑے باغ میں دفن کیے گئے۔ [۱۰۶]

ان کی شادی عبدالقیوم ابن غلام نبی دوتانوی کی بیٹی فہیم النسا بیگم سے ہوئی

تھی ۔ان کے چار بیٹے تھے : عبدالرزاق (۱۸۳۸ء - ۱۸۸۳ء) ابراہیم علی (ولادت: ۱۸۴۶ء) یوسف علی (ولادت: ۱۸۵۰ء) اور یعقوب علی (ولادت: ۱۸۵۲ء) یہ تمام بھائی بعد کو بسلسلۂ ملازمت بھوپال گئے جہاں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ان کے اخلاف کا تفصیلی تذکرہ حیات کرم حسین میں موجود ہے۔

غلام مسعود :

تہور علی کے تایا زاد بھائی تھے۔ ان کے والد غلام محمد ۱۰ شعبان ۱۱۵۷ھ (۱۷۴۴ء) کو پیدا ہوئے ۔ وہ کئی علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ مرآۃ الانساب انھی کی تصنیف ہے۔ اس میں ان کے خاندان کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے ۔ یہ مخطوطے کی صورت میں بخط مصنف حکیم سید ظل الرحمٰن کے کتب خانے میں موجود ہے ۔ غلام محمد اودھ حیدرآباد اور اجمیر میں برسرِ روزگار رہے ۔ ان کا انتقال یکم رمضان ۱۲۱۹ھ (۱۸۰۴ء) کو اجمیر میں ہوا۔

غلام مسعود ۲۸ جمادی الاوّل ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰ء) کو پیدا ہوئے۔ وہ بڑے خلیق، حلیم الطبع، سخن فہم اور لطیفہ سنج تھے۔ تحریر و تقریر میں مہارت رکھتے تھے۔ حضرت شاہ ابوسعید مجددی (ف: ۱۸۲۹ء) کے مرید تھے۔

موصوف بھی تجارہ کے قافلہ کے ساتھ ناگپور آئے اور راجہ کی ملازمت سے وابستہ ہوئے ۔ الحاقِ ناگپور کے بعد تجارہ گئے ۔ جہاں بروز بدھ ۶ جمادی الثانی ۱۲۷۵ھ (۱۸۵۸ء) کو وفات پائی ۔

ان کے بیٹے تھے غلام منصور جو ۱۰ رجب ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۲ء) کو پیدا ہوئے ۔ عربی فارسی کے عالم اور خوش مذاق انسان تھے ۔ وہ بھی راجہ کے یہاں ملازم رہے ۔ الحاقِ ناگپور کے بعد اپنے خاندان کے ساتھ تجارہ گئے ۔ چند ماہ بعد پنجاب کی پندرہویں رجمنٹ میں شامل ہوئے ۔ پھر ۱۸۶۷ء میں ریاست بھوپال سے وابستہ ہوئے ۔

یہاں صوبیدار میجر کے عہدے پر مامور تھے۔ بھوپال میں ایک عرصہ قیام کے بعد پھر تجارہ آئے اور وہیں رحلت فرمائی۔ خاندانی تذکرہ میں ان کی کتاب بھی مراۃ الانساب کے نام سے ہے۔ اس کا مخطوطہ سید ظل الرحمٰن کے پاس محفوظ ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے جدِ امجد غلام محمد کے کام کو اپنے دور تک مکمل کیا ہے۔

ان کی شادی ۱۷ سال کی عمر میں قاضی غلام محی الدین ابن قاضی نجیب الدین کی بیٹی امۃ النساء کے ہمراہ ۲۴ رجب ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۸ء) کو ہوئی۔ ان سے دو بیٹے عبد الغفور اور حافظ غلام احمد فروغی ہوئے۔ ان دونوں نے بھوپال میں اپنا نام کافی روشن کیا۔ ان کے تفصیلی حالات حیات کرم حسین میں ملتے ہیں۔

غلام نبی :

غلام مسعود کے چھوٹے بھائی تھے۔ بہادر، خوبصورت، قدآور اور ذکی فہم تھے۔ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھے لیکن طب میں مہارت رکھتے تھے۔ سپہ گری کے فن سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ وہ بھی اپنے خاندان کے ہمراہ بھوسلہ راجہ کے یہاں ملازم رہے۔ ۱۸۵۳ء کے بعد رجمنٹ نجم سے وابستہ ہوئے۔ آخری عمر یادِ الٰہی میں گزری۔ انہوں نے ۷ ربیع الاول ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) کو رحلت فرمائی۔ تجارہ میں آسودہ خواب ہیں۔۸۰ لے

ان کی شادی قاضی حسین علی کی بیٹی نجب النساء سے ہوئی تھی۔ چار بیٹے ہوئے: عبد الغنی (۱۸۲۴ء۔ ۱۸۵۶ء) غلام ناصر (ولادت: ۱۸۳۳ء) ولی محمد (ولادت: ۱۸۳۶ء) اور امتیاز علی (ولادت: ۱۸۳۷ء) ان میں امتیاز علی ۱۸۸۱ء تک ناگپور ہی میں ملازم رہے۔ اسی سال بھوپال کو اپنا مستقر بنایا لیکن دوسرے ہی سال بروز سنیچر ۲۹ رمضان ۱۳۰۰ھ (۱۸۸۲ء) کو رحلت فرمائی۔ ان کی شادی مفتی یقین الدین ابن مفتی امام الدین کی بیٹی حکیم النساء کے

کے ہمراہ ہوئی تھی۔

غلام ناصر کے دو بیٹے: ذکیر الدین ذکی اور کبیر الدین کلیم (ف: ۱۹۵۲ء) نے بھوپال میں کافی مقبولیت حاصل کی۔ یہ دونوں بھائی بھوپال کی ادبی تاریخ کا جزو لاینفک ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الحاقِ ناگپور کے بعد یہ خاندان بھی بھوپال میں آباد ہو گیا تھا۔

غلام عسکری:

ان کے والد کا نام صلاح الدین اور جدِ امجد کا کریم الدین (ابن قاضی مقتدیٰ ابن قاضی غلام مرتضیٰ) تھا۔ وہ ابتدا میں اجمیر کے صوبہ پالار او میں رہے۔ اجمیر کا صوبے داران کی لیاقت، ذہانت، خوش معاملگی اور حسنِ تدبیر کا معترف تھا۔ انھیں اس نے اپنا دیوان مقرر کیا اور ۳۰ ایکڑ بیگھ زمین مرحمت کئے جانے کے سلسلے میں ایک خط جے پور کے مہاراجہ کو لکھا۔ اس خط کے ملتے ہی مہاراجہ نے تجارہ کے والی راجہ بلونت سنگھ کو ایک سفارشی خط روانہ کیا جس کے نتیجہ میں چار قطعات: نیا شہر، باغ بہشت، تلاوالی اور رابلی والی انھیں سند کے ساتھ مرحمت کئے گئے۔ ۱۰۹

وہ ۱۸۳۰ء میں ناگپور آئے اور یہاں بھنڈارہ کے تحصیلدار مقرر کئے گئے۔ انھوں نے ۱۸ ربیع الاول ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) کو ناگپور میں رحلت فرمائی۔ تکیہ مجنوں شاہ پارڈی (مہاراج گنج چھاؤنی) میں آخری آرام گاہ ہے۔

ان کی پہلی شادی قاضی نجیب الدین کی بہن ایمن النسا کے ہمراہ ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد دوسرا عقد قاضی اسد علی ریواڑی کی بیٹی خیر النسا کے ساتھ کیا۔

ان سے دو بیٹے غلام مہدی اور غلام حسین اور دو بیٹیاں: صدیق النسا اور خدیجۃ النسا ہوئیں۔

غلام مہدی، ۱۰ رجب ۱۲۲۶ھ (۱۸۱۱ء) کو پیدا ہوئے۔ ان کی شادی ۱۸۲۸ء میں غلام منصور کی بہن لطیف النسا بنت غلام مسعود سے ہوئی۔ ان سے دو بیٹے ہوئے بڑے بیٹے کا نام قاسم حسین اور چھوٹے کا عابد حسین تھا۔

قاسم حسین کی شادی، تفضل حسین کی بیٹی سے ناگپور میں ہوئی تھی۔ ان کا یہیں انتقال ہوا۔ ان کے انتقال کے آٹھ روز بعد ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام یادگار حسین تھا۔ یہی یادگار حسین بعد کو بھوپال میں آباد ہوئے۔ انگریزی کے ماہر اور خوش فکر شاعر تھے۔ فتنہ ان کا تخلص تھا۔ [۱۱۰]

چھوٹے بیٹے عابد حسین بھی بھوپال میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ یہ قادر الکلام شاعر تھے۔ عابد ان کا تخلص تھا۔ انھوں نے ۱۹۲۲ء میں بھوپال میں رحلت فرمائی۔ ان کی شادی ان کے ماموں غلام منصور کی بیٹی محمود النسا بیگم سے ہوئی تھی۔ [۱۱۱]

غلام عسکری کی بڑی بیٹی صدیق النسا، سید محمد زین الدین کے ماموں حسین الدین ابن امیر الدین سے بیاہی تھیں۔ انھی کی بیٹی فیاض النسا سے قاضی سید امداد علی کا عقد ہوا تھا۔ ان کے بطن سے حکیم سید کرم حسین پیدا ہوئے تھے۔

غلام عسکری کی دوسری بیٹی خدیجۃ النسا کا عقد میر خیرات علی کے فرزند سید جعفر علی سے ہوا تھا۔ سید جعفر علی بھی ریاست ناگپور میں اور اس کے بعد انگریزی حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر رہے۔ وہ بہت ذی علم اور نیک نام شخص تھے۔ انھوں نے اپنی ذاتی کوششوں سے کافی جائیداد پیدا کی تھی۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ غلام عسکری کا پورا خاندان ۱۸۵۳ء کے بعد تک ناگپور میں آباد تھا۔ بعد کو یہ بھوپال منتقل ہوا۔

غلام قادر:

ان کے جد امجد صالح ابن محمد سلطان خان (ف: ۱۷۵۵ء) ابن قاضی بدر الدین

(ف: ۱۷۵۵ء) اگر ایک طرف سپاہی پیشہ تھے تو دوسری طرف عابدِ شب زندہ دار بھی تھے۔ وہ فرض نماز کے علاوہ نوافل کا کثرت سے اہتمام کرتے تھے۔ انھوں نے ۱۰۸۸ھ میں ۵۹ سال کی عمر میں ایک معرکے میں جام شہادت نوش کیا اور رتجارہ میں دفن کیے گئے۔ ان کے دو بیٹے تھے محمد اکبر اور محمد اصغر یہ دونوں بھی روزی روٹی کی فکر میں تجارہ کے قافلے کے ساتھ ناگپور آئے اور یہاں آباد ہوئے۔

غلام قادر کے والد محمد اکبر نے انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں رحلت فرمائی جبکہ غلام قادر نے ۹ ربیع الاول ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۲ء) کو وفات پائی۔ ان کی پختہ قبر پارڈی کی مسجد سے متصل مسجد کے دروازے کے سامنے واقع گھنگھرو شاہ کی تکیہ میں ہے۔ [۱۱۲]

محمد عبدالکریم :

غلام قادر کے چچازاد بھائی تھے یعنی وہ محمد اصغر کے بیٹے تھے۔ محمد اصغر نیک صفت انسان تھے۔ وہ ہمیشہ تلاوتِ قرآن میں مصروف رہا کرتے۔ انھوں نے ۷۰ سال کی عمر میں ۲۴ رجب ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) کو انتقال کیا۔

محمد عبدالکریم بھی بھوسلہ فوج سے وابستہ تھے۔ ان کا مسکن بھی پارڈی تھا۔ انھوں نے ۴ ربیع الثانی ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) کو وفات پائی۔ ان کی پختہ مزار بھی گھنگھرو شاہ کے تکیہ میں ہے۔

ان کے ایک بیٹے حاجی رفیع الدین تھے۔ وہ علم و ادب کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے۔ الحاق ناگپور کے بعد تجارہ لوٹ گئے۔ وہیں سے ۱۸۷۶ء میں اپنے خسر غلام سرور ابن محمد حسین ابن ابوتراب کے ہمراہ فریضۂ حج بھی ادا کیا۔ [۱۱۳]

سیّد اولاد حسین :

سید اولاد حسین کا وطن مالوف بھونکر (میوات) تھا۔ ان کے والد کا نام سید فرزند علی اور دادا کا نام میر خیرات علی تھا۔ وہ علم و فضل اور فنِ خطاطی میں وحید عصر اور یکتائے زمانہ تھے۔ ان کے مندرجہ ذیل مخطوطے حکیم سید ظل الرحمٰن کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

۱۔ بیانِ قیامت از شاہ رفیع الدین دہلوی، بتاریخ ۲۸ جمادی الاول ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء)
۲۔ فقہ ہندی (اردو منظوم) بتاریخ ۲۶ شوال، روز شنبہ، ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۵ء)، بمقام تجارہ۔
۳۔ نصیحت المسلمین از خرم علی (ترقیمہ نہیں ہے)
۴۔ ہدایت الاسلام از امانت اللہ، بتاریخ ۱۰ صفر ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۵ء)، بمقام تجارہ۔

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ ۱۸۲۶ء کے بعد ناگپور آئے اور بھوسلہ راجہ کے یہاں ملازمت اختیار کی۔ انھوں نے عالمِ جوانی میں ناگپور میں رحلت فرمائی اور یہیں سپردِ خاک ہوئے۔ ۱۱۴

مفتی امام الدین:

مفتی امام الدین ریواڑی (میوات) کے مشہور و معروف خاندانِ افتا کے فرد تھے۔ ان کا خاندان علمی لحاظ سے مالا مال اور دینی لحاظ سے قابلِ احترام تھا۔ ان کے والد کا نام مفتی قطب الدین اور دادا کا نام مفتی سراج الحق تھا۔

مفتی امام الدین رگھوجی ثالث کے عہدِ حکومت میں ۱۸۱۸ء میں ناگپور آئے۔ یہاں وہ تین سو روپے ماہانہ مشاہرے پر مامور تھے۔ انھوں نے پارڈی میں ایک کنواں اور ایک مسجد بھی تعمیر کروائی تھی۔ یہ دونوں یادگاریں آج بھی موجود ہیں۔ یہاں کی ملازمت سے ۱۸۴۵ء میں سبکدوش ہوئے۔ اس کے بعد پھر اپنے وطن ریواڑی میں سکونت اختیار کی۔ وہیں سے چند سال بعد فریضۂ حج بھی ادا کیا۔

ان کی شادی ابوتراب کی نواسی فتح دولت بنت جمال دولت کے ہمراہ ہوئی تھی۔ اس خاتون سے دو بیٹے یقین الدین اور نظام الدین اور ایک بیٹی بسم اللہ پیدا ہوئی۔

یہ دونوں بیٹے بھی آگے چل کر صاحبِ علم و کمال ہوئے۔ یہ بھی مفتی تھے انھیں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لینے کے جرم میں انگریزوں نے ریواڑی میں گرفتار کیا اور دہلی لاکر تختۂ دار پر لٹکا دیا۔

مفتی یقین الدین کے دو بیٹے تھے: قیام الدین اور قمر الدین یہی قمر الدین روزنامہ دعوت نئی دہلی کے مدیر اعلیٰ محمد مسلم کے جدِ امجد تھے۔ [۱۱۵]

مفتی سراج الدین:

مفتی امام الدین کے بھائی تھے۔ یکم جمادی الثانی ۱۲۰۸ھ (۱۷۹۳ء) کو ریواڑی میں پیدا ہوئے۔ اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ عین جوانی میں ناگپور آئے اور بھوسلہ راجہ کے یہاں ملازمت اختیار کی۔

انھوں نے ہمیشہ ایک متمول اور خوش حال زندگی گزاری۔ وجیہہ و شکیل اور خوش لباس تھے۔ اعلیٰ علمی ذوق رکھتے تھے۔ انھوں نے ۱۸۴۵ء میں ناگپور کی ملازمت کا سلسلہ ترک کیا اور اپنے اعزہ کے ساتھ ۲۷ سال بعد وطن لوٹے۔ وہاں تجارہ میں ایک شاندار حویلی تعمیر کروائی اور اسی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ ان کا انتقال ۲۷ ربیع الثانی ۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) کو جمعرات کے دن تجارہ میں ہوا۔ [۱۱۶]

تفضل حسین:

تفضل حسین نے ۱۸۵۷ء کے تاریخی انقلاب کے زمانے میں انگریزوں کی پرزور حمایت کی اور ناگپور میں ہونے والی بغاوت کا قلع قمع کیا اس لئے ان کا نام تاریخ ناگپور میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ یادو مادھو کالے اپنی تصنیف ناگپور کر بھوسیلا چا اتہاس (ص: ۳۵۹) میں لکھتے ہیں:

"تفضل حسین ٹاکلی (ناگپور) میں موجود ایک پولس فورس کا کپتان تھا۔

اسے پولس فورس کا رسالدار مقرر کیا گیا تھا۔ جب جنگ آزادی کے زمانے میں اس پولس فورس کے بعض سپاہیوں کا تیور بدلا تو ناگپور کے کمشنر نے چند خاص افسروں کو قید کرنے کا حکم دیا لیکن اس حکم نامے کے مطابق انگریزوں کے سامنے یہ مسئلہ بھی کھڑا ہو گیا کہ اس کام کو انجام دینے کی ذمہ داری کسے سونپی جائے۔ آخر کار ایک سینئر افسر ہونے کے ناطے تفضل حسین کو یہ کام سونپا گیا۔ انھوں نے صرف ایک سپاہی کی مدد سے اس کام کو بحسن و خوبی انجام دیا اور تمام باغی افسران کو گرفتار کیا۔ اس کے صلہ میں انھیں سردار بہادر کا خطاب اور چھ ہزار روپے کی جاگیر مرحمت کی گئی۔ یہ شخص پنجابی تھا۔ ان کی کارروائی کے نتیجے میں پولس کے پانچ سپاہی اور شہر کے دو دو مسلمان جو بغاوت میں شامل تھے حراست میں لیے گئے اور انھیں پھانسی دی گئی۔ (مراٹھی سے ترجمہ)

حکیم سید ظل الرحمٰن نے حیات کرم حسین (ص: ۸۹ - ۹۱) میں تفضل حسین کے حالات پر جو روشنی ڈالی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق دراصل میوات کے علاقہ ریواڑی سے تھا۔ وہ ایک مذہبی اور علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے خاندان کا شمار مفتیانِ ریواڑی میں ہوتا تھا۔

ان کے پردادا کا نام مفتی نور الحق، دادا کا نام غلام حیدر اور والد کا نام غلام محمد تھا۔ غلام حیدر نے ۱۸۲۸ء میں اور غلام محمد نے ۱۸۳۳ء میں ناگپور میں رحلت فرمائی۔ یہ دونوں راجہ بھوسلہ کی فوج میں ملازم تھے۔

تفضل حسین بھی اپنے خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ راجہ کے یہاں ملازم تھے۔ وہ الحق ناگپور (۱۸۵۴ء) کے بعد انگریزوں کی پولس فورس میں شامل ہوئے۔ انھیں کی رسالداری کے زمانے میں ۱۸۵۷ء کا تاریخی انقلاب رونما ہوا۔ انھوں

نے اس موقع پر اپنی خاندانی روایت کے برخلاف انگریزوں کی حمایت کی۔ انھیں اس کے صلہ میں ملکہ وکٹوریہ کی جانب سے چھ ہزار کی فرخ نگر (میوات) کی جاگیر اور ڈھائی ہزار روپے سالانہ پنشن ملی۔ کپتان سردار تفضل حسین خان بہادر کا خطاب ملا اور قصبہ فرخ نگر کی عدالت کا کام بھی ان کے سپرد ہوا۔

وہ ان اعزاز واکرام کے ساتھ ۱۲ ذیقعدہ ۱۲۷۶ھ (۱۸۵۹ء) کو ناگپور سے ریواڑی پہنچے۔ ان کے اختیارات اور ان کی جاگیردارانہ حیثیت کی وجہ سے ریواڑی از سر نو ایک پر رونق علاقہ بنا۔ انھوں نے ۵ محرم ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۶ء) کو وفات پائی۔ ان کا مزار ریواڑی باغ میں ہے۔

ان کے دو بیٹے تھے۔ شہاب الدین حیدر اور سراج الدین حیدر۔ بڑے بیٹے شہاب الدین حیدر انتہائی خوبصورت اور قوی الجثہ نوجوان تھے۔ وہ اپنے والد کی جگہ ناگپور میں تعالدار کے منصب پر مامور تھے۔ ابھی ۱۹ سال کے تھے کہ رائے پور (ایم پی) میں اچانک گھوڑے سے گرے اور ہلاک ہوگئے۔

سراج الدین حیدر نے ۱۹۳۱ء میں وفات پائی۔ وہ اپنے والد کے انتقال کے بعد جاگیر وجائیداد کے تنہا وارث رہے۔ انھیں بھی انگریز انعام واکرام سے نوازتے رہے۔ ان کو ۱۹۱۱ء کے دہلی دربار میں وکٹوریہ کراس دیا گیا تھا۔ اسی طرح جارج پنجم نے ایک کرنج عطا کی تھی، جس کا قبضہ سونے کا اور میان چاندی کی تھی۔ وہ فرخ نگر اور سواری (میوات) کے استمراردار اور آنریری مجسٹریٹ بھی بنائے گئے تھے۔

حواشی :

۴۹ے چھندواڑہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۰۷ (انگریزی) ص: ۲۹

۵۰ے مجموعۂ شمسی از قاضی شمس الدین (قلمی) ص: ۲۵۵ تا ۲۵۷

۵۱ دیوان تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۳، ۴، ۳۳، ۴۰، ۴۱، ۴۲

۵۲ میاں وجیہہ الدین کے حالات مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) میں جستہ جستہ ملتے ہیں۔

۵۳ ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۴۹، ۶۰، ۷۳

۵۴ ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۶۰

۵۵ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۳۲۵ سے ۳۳۳ تک

۵۶ ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۱۹۲

۵۷ ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ (مراٹھی) ص: ۱۶۴

۵۸ ناگپور ریذیڈنسی ریکارڈ جلد چہارم بائی ایچ این سنہا (۱۹۵۴ء) ص ۲۶۶

۵۹ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۶۷

۶۰ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۶۷، ۶۸

۶۱ تاج الاقبال از ملکہ شاہجہانی بیگم مطبوعہ مطبع نظامی کانپور (۱۸۷۲ء) ص: ۱۶

۶۲ تاج الاقبال از ملکہ شاہجہانی بیگم (۱۸۷۲ء) ص: ۱۷

۶۳ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۶۸

۶۴ ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ (مراٹھی) ص: ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۰

ناگپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۶۶ (انگریزی) ص: ۹۱

بھوسلہ گھوجی سکنڈ آف ناگپور مطبوعہ ۱۹۷۹ (انگریزی) ص: ۱۴۳ تا ۱۵۲

۶۵ ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۶۶ء (انگریزی) ص: ۲۰۷

۶۶ تاج الاقبال از ملکہ شاہجہانی بیگم مطبوعہ ۱۸۷۲ء، ص: ۲۳ تا ۲۸

بھوسلہ رگھوجی سکنڈ آف ناگپور مطبوعہ ۱۹۷۹ء (انگریزی) ص: ۱۷۱ تا ۱۷۵

ناگپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۶۶ء (انگریزی) ص: ۹۱

۶۶ے ناگپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۶۶ء (انگریزی) ص : ۹۲، ۹۳

ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۲۶۵، ۲۶۶، ۳۹۵

۶۸ے ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص : ۲۷۱، ۲۹۰

۶۹ے ملہماتِ فیض آیات از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۶۲ - ۱۶۴

۷۰ے ملہماتِ فیض آیات از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۶۹، ۱۷۰

۷۱ے ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ (مراٹھی) ص : ۳۹۵

۷۲ے مجموعہ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص : ۳۳۳

۷۳ے ناگپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ ۱۹۶۶ء (انگریزی) ص : ۱۰۱

۷۴ے ملہمات فیض آیات از غمگین ناگپوری (قلمی) ص : ۱۵۴، ۱۵۵

۷۵ے مجموعہ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص : ۵۰، ۵۱

۷۶ے دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص : ۲۷، ۲۸

۷۷ے دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص : ۲۷، ۲۸

۷۸ے دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص : ۳۶، ۳۷

۷۹ے ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص : ۳۵۴

۸۰ے ناگپور ٹائمز ناگپور مورخہ ۴ جون ۱۹۷۸ (حصہ میگزین)

مضمون سم رومنس آف اولڈ ناگپور

مجموعہ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ۳۳۴،

۸۱ے بھوسلہ رگھوجی سکنڈ آف ناگپور مطبوعہ ۱۹۷۹ (انگریزی) ص : ۱۹۴

۸۲ے مجموعہ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص : ۱۷۳

۸۳ے مجموعہ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص : ۱۷۲

ناگپور کر بھوسلیا نچا اتہاس مطبوعہ ۱۹۷۹ء (مراٹھی) ص: ۲۶۵، ۲۷۰

۸۴ے مجموعہ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص : ۱۷۳

۸۵۔ مختصر حالات میر عزیز از اقبال حسین مطبوعہ الفاروقی پریس کانپور ۱۹۵۴ء

۸۶۔ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۲۸۶

۸۷۔ تذکرہ کاملانِ رامپور از حافظ احمد علی خان شوق مطبوعہ خدا بخش اورینٹیل لائبریری پٹنہ (۱۹۸۶) ص: ۴۰۸، ۴۰۹

۸۸۔ انتخاب یادگار از امیہ مینائی مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ (۱۹۸۲ء) ص: ۱۱۰، ۱۱۸

۸۹۔ دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۳۸، ۳۹

۹۰۔ دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۳۳

۹۱۔ دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۳۹

۹۲۔ دیوان تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۳۸

۹۳۔ دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۳۶، ۳۱

۹۴۔ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۴۸۸

۹۵۔ دیوان تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۱۴

۹۶۔ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۴۸۸ تا ۴۹۰

۹۷۔ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۴۷۳ تا ۴۷۵

۹۸۔ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۳۶۳، ۳۷۰

۹۹۔ دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۱۸

۱۰۰۔ دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۴۴

۱۰۱۔ جیش المضامین از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۵۵

۱۰۲۔ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن مطبوعہ لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ (۱۹۸۲ء)

۱۰۳۔ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن، ص: ۳۵ تا ۴۱، ۶۶ تا ۶۸

۱۰۴۔ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن، ص: ۳۶، ۵۱، ۷۱، ۷۲

۱۰۵؎ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن ، ص : ۴۶ تا ۴۸

۱۰۶؎ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن ، ص : ۲۵۷ تا ۲۶۰

۱۰۷؎ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن ، ص : ۴۷ ، ۴۸ ، ۴۹ ، ۲۶۰

۱۰۸؎ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن ، ص : ۲۷۴

۱۰۹؎ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن ، ص : ۸۵ ، ۸۸ ، ۸۹

۱۱۰؎ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن ، ص : ۲۶۹

۱۱۱؎ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن ، ص : ۲۶۲

۱۱۲؎ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن ، ص : ۴۵ ، ۷۱

۱۱۳؎ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن ، ص : ۴۵ ، ۷۱

۱۱۴؎ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن ، ص : ۴۴ ، ۷۵

۱۱۵؎ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن ، ص : ۵۸

۱۱۶؎ حیاتِ کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن ، ص : ۵۹ ، ۶۰

اطبّاء

اس عہد میں ناگپور میں جو اطبا آئے ان میں حکیم مولوی فرحت اللہ کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ وہ جمعہ مسجد کے متولی اور ایک جیّد عالم تھے۔ ان کے بیٹے حکیم احمد اللہ بھی ایک ماہر طبیب تھے۔

اس کے بعد دوسرا مشہور نام حکیم سید عبدالحسین کا نظر آتا ہے جو رگھوجی ثانی کے عہد (۱۷۸۸ء - ۱۸۱۶ء) میں اندور سے ناگپور آئے اور یہاں مستقل آباد ہوئے۔ ان کے اخلاف میں حکیم سید یادگار حسین نے مقبولیت حاصل کی۔ انھیں رگھوجی ثالث نے کافی انعام واکرام سے سرفراز کیا تھا۔

رگھوجی ثالث کے عہد (۱۸۱۶ء - ۱۸۵۳ء) میں دیگر مشہور اطبا میں حکیم فاضل خان، حکیم عبدالحکیم، حکیم مولوی عبدالقادر، حکیم سکندر، حکیم سید احمد اور حکیم عنایت علی خان تھے۔ یہ وہ اطبا ہیں جن کے شہر میں بڑے بڑے مطب تھے۔ وہ نہ صرف عام لوگوں کا علاج کرتے بلکہ راجہ اور ان کے خاندان کے بھی معالج خاص تھے۔ یوں ان کا دربار شاہی سے براہِ راست تعلق تھا۔ انھیں راجہ کی طرف سے انعام واکرام میں جاگیریں بھی ملی تھیں۔

ناگپور ریذیڈنسی ریکارڈ جلد پنجم کے ص: ۱۵ تا ۱۸ پر یہ بات وضاحت سے ملتی ہے کہ جب راجہ مرض الموت میں گرفتار ہوا تو وہ انھی اطبا کے زیر علاج تھا۔ انھوں نے مسلسل کئی دنوں تک اس کو صحت و تندرستی عطا کرنے کے لئے ہزار جتن کئے لیکن وہ مرض سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکا۔ آخر اسی بیماری میں ۱۱ دسمبر ۱۸۵۳ء کو وفات پا گیا۔ ۱۱۷

اس دور کے ایک اور حکیم مرزا حسن علی عرف رسولی حکیم کا نام بھی بعض جگہ ملتا ہے۔ وہ بھی طب میں شہرت یافتہ تھے۔ شطرنجی پورہ میں ان کا مکان اور مطب تھا۔ انھوں نے سو سال سے زائد عمر پائی۔ ان کا انتقال بروز منگل یکم شعبان ۱۳۱۷ھ (۵ دسمبر ۱۸۹۹ء) کو ہوا۔ ۱۱۸

لیکن ان اطبا میں سے سوائے حکیم مولوی فرحت اللہ، حکیم احمد اللہ، حکیم سید عبد الحسین حکیم سید یادگار حسین اور حکیم عنایت علی خان کے باقی سب کے حالات پردۂ خفا میں ہیں اس لئے یہاں نئی پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

حکیم مولوی فرحت اللہ :

عادل کے حقیقی نانا تھے۔ موصوف ایک جید عالم اور ماہر حکیم تھے۔ بھوسلہ اور گونڈ راجہ کے خاندان کے طبیب تھے۔ رگھوجی ثانی کے عہد (۱۷۸۸ء - ۱۸۱۶ء) میں ناگپور آئے۔ یہیں راجہ جانوجی (ف ۱۸۷۲ء) کے ملازم میاں وجیہہ الدین کی بیٹی سے ان کا عقد ہوا۔ وہ وجیہہ الدین کے انتقال کے بعد جمعہ مسجد کے متولی مقرر ہوئے۔ ان کے عہد متولیت میں مسجد کی املاک میں اضافہ ہوا۔ رگھوجی ثانی نے مسجد کے نزدیک کی باڑی اس کے صرفے کے لئے دی۔ ۱۱۹

ان کا انتقال غالباً انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں ہوا۔ عادل کے قطعاتِ تاریخ سے ان کے چار بیٹے: عبد اللہ، سعادت خان، احمد اللہ اور حمید اللہ کا

پتہ چلتا ہے۔

مولوی فرحت اللہ کی ایک بیٹی عادل کی والدہ تھی۔ ان کا ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں انتقال ہوا۔ شیخ عبداللہ

کا انتقال ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۷ء) میں ہوا۔ عادل نے یہ قطعہ تاریخ کہا۔ ۱۲۰

زیں جہاں سوئے جنت الماوا رفت خال من حزیں ناگاہ

دل بچو فکر، فقرۂ تاریخ گشت داخل بطرز خاطر خواہ

سال ترحیل ہاتف غیبی

گفت: "افسوس شیخ عبداللہ" ۱۲۶۴ھ

ایک بیٹے سعادت خان تھے۔ ان کا انتقال ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶ء) میں ہوا۔ عادل نے ان کی وفات پر یہ قطعہ تاریخ کہا۔ ۱۲۱

چوں ز بیماری وبا ہیہات خال ایں عادل غمین جہاں

زیں مقام خراب وحشت خیز گشت سیار بوستان جہاں

در دل خویش فکر می کردم بہر تاریخ آں وحید زماں

بہر سالش زباں کشادہ قلم

گفت سن: ہائے اے سعادت خاں ۱۲۷۳ھ

فرحت اللہ کے بیٹے حکیم مولوی احمد اللہ بھی فن طب میں لاثانی ملکہ رکھتے تھے۔ وہ علوم دین کے ماہر بھی تھے۔ مذہبی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ انھیں مولوی فرحت اللہ کے انتقال کے بعد جمعہ مسجد کی متولیت کا شرف حاصل ہوا۔ انھوں نے ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۵ء) میں رحلت فرمائی۔ ان کے انتقال سے متاثر ہو کر عادل نے جو قطعہ تاریخ کہا ہے وہ ان کی گراں قدر علمی شخصیت کی عکاسی کرتا ہے۔ دیکھئے۔ ۱۲۲

چوں جناب حکیم ابن حکیم ماموے عادل غمین سقیم

گلبنِ گلشنِ علوم و فنون | بو علی ثانی رشکِ افلاطون
احمد اللہ نام نامی، بود | ذاتِ وے در جہاں گرامی بود
بود یکتائے وقت در معقول | بسکہ معقول بود در منقول
او و استادایں غریقِ الم | بود وے ہمدرس و ہم سبق دائم
از وبادرد و روز ناگہ مرد | مایۂ جانِ خود بحق بسپرد
بہرِ تاریخ آں کرم القاب | پیش عادل بگشتہ باآداب

زد رقم خامۂ دونیم شدہ
واصلِ رحمتِ نعیم شدہ ۱۲۶۲ھ

مولوی احمد اللہ کے ایک بیٹے صلاح الدین کا انتقال بھی اسی سال ہوا تھا۔ عادل نے ان کا بھی قطعہ تاریخ کہا ہے۔ ۱۲۳ء

شد ز دارِ فنا برادرِ من | برمن از غم نشور برپا شد
نامِ نامیِ او صلاح الدین | از غمش تنگ عیش دنیا شد

دل ز تاریخ سال ایما داد
بے گل گشت سوئے ماوا شد ۱۲۶۲ھ

بہادر علی کے روزنامہ سے مولوی فرحت اللہ کے دوسرے بیٹے حافظ حمید اللہ کے متعلق یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ خوش الحان قاری تھے۔ شہر میں میلاد خوانی کے لئے مشہور تھے۔ انھوں نے دو ڈھائی مہینے کی بیماری کے بعد بروز جمعرات ۱۶ دسمبر ۱۸۷۴ء مطابق ۷ ذیقعدہ ۱۲۹۱ھ کو رحلت فرمائی۔ عادل نے یہ تاریخ کہی ہے۔ ۱۲۴

حمید اللہ مولود خواں، حافظے
چوں رفتہ سوئے خلد باعقل و ہوش
پئے سالِ تاریخ فصلِ آں
"نکو آخرت باد" گفتا سروش ۱۲۸۴ف

حکیم سید عبدالحسین :

ان کے جدِ امجد سید اسد علی سبزواری ، ایران کے شہر سبزوار سے نقل مکانی کر کے ہندوستان آئے اور دہلی میں سکونت اختیار کی۔ وہ ایک تجربہ کار حکیم تھے لہٰذا طب کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا اور اس میں اسقدر شہرت حاصل کی کہ ان کے چرچے دور دور تک ہونے لگے۔ ان کی شہرت سے متاثر ہونے والوں میں اندور کا راجہ بھی تھا چنانچہ اس نے اپنے علاج کے لئے انھیں اندور بلوالیا۔ یہاں ان کی قسمت کا ستارہ چمکا۔ راجہ ان کے علاج سے اتنا خوش ہوا کہ اس نے انھیں اپنا حکیم خاص مقرر کیا اس طرح وہ اندور ہی میں مستقل آباد ہو گئے۔ انھوں نے چالیس سال کی عمر میں وہیں رحلت فرمائی۔ ان کے ایک بیٹا سید عبدالحسین اور ایک بیٹی جاریہ بیگم تھی۔

سید عبدالحسین بھی اپنے والد کی طرح حکمت میں ماہر تھے۔ وہ راجہ رگھوجی ثانی کے عہد میں عین شباب میں ناگپور آئے۔ یہیں شیخ عبدالشکور کے بیٹے غلام مرتضیٰ کی لڑکی سے ان کا عقد ہوا۔ چوں کہ شیخ عبدالشکور کے اخلاف کا بھوسلہ دربار میں بول بالا تھا۔ اس لئے حکیم سید عبدالحسین کو بہت جلد مقبولیت مل گئی۔ ۱۲۵

ان کے چار بیٹے تھے : سید یادگار حسین ، سید لشکر حسین ، سید عطا حسین اور سید غلام حسین۔ ان میں سید یادگار حسین نے کافی شہرت پائی وہ راجہ رگھوجی ثالث (۱۸۱۸ء - ۱۸۵۳ء) کے طبیب خاص تھے۔ رگھوجی نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی۔ انھیں ان کی خواہش کے مطابق بھالدارپورہ میں ۱۸۴۰ء میں ایک عظیم الشان امام باڑہ اور پختہ مکان تعمیر کرواکے عنایت کیا۔ نیز امام باڑہ کے اخراجات کے لیے دو گاؤں : سونکھام اور گوڑے واڑہ بھی عطا کیے اور ان کے ذاتی اخراجات کے لیے پانچ ہزار روپے سالانہ پنشن مقرر کی۔ ان کا انتقال ۱۸۵۳ء میں ہوا۔ ناگ ندی کے کنارے کربلا کے میدان میں مدفون ہیں۔

ان کے دو بیٹے تھے : حکیم سید بنیاد حسین اور حکیم سید طفیل حسین۔ اول الذکر نے ۱۹۱۳ء میں وفات پائی اور ثانی الذکر نے ۱۸۸۶ء میں انتقال کیا۔
حکیم سید بنیاد حسین کے چار بیٹے تھے : سید محمد رضا (ف : ۱۹۶۱ء) سید علی رضا (ف : ۱۹۵۳ء) سید عبدالحسین (ف : ۱۹۷۲ء) سید حسین رضا (ف : ۱۹۸۰ء) اور ایک بیٹی کاظم النسا بیگم (ف : ۱۹۶۱ء) تھی۔
حکیم سید طفیل حسین کی چار بیٹیاں : سید النسا، عباسی بیگم، ہاشمی بیگم، جاریہ بیگم، اور صرف ایک بیٹا سید یادگار حسین تھا؛ جس نے ۱۹ جنوری ۱۹۵۳ء کو وفات پائی۔ ان کے دو بیٹے ہوتے: سید بنیاد حسین اور سید ارشاد حسین (ف: ۱۹۸۶ء)[۲۶]
اس خاندان کے کئی افراد آج بھی بھالدار پورہ میں سکونت پذیر ہیں۔ امام باڑے کی عمارت بالکل شکستہ ہو چکی ہے۔ لیکن اس کے آثار و نشانات اس کی عظمتِ رفتہ کی گواہی دیتے ہیں۔ یہ علاقہ آج بھی حکیم صاحب کا باڑہ کہلاتا ہے۔

حکیم عنایت علی خان :

راقم السطور جس مکان میں رہتا ہے، وہ اور اس کے اطراف کی تقریباً تیس ہزار مربع فٹ زمین انہی حکیم صاحب کی ملکیت تھی۔ اس ملکیت کو میرے جدِ اعلا حاجی نور محمد ابن ضیاء اللہ (بودھن سیٹھ مومن) نے ۲۰ فروری ۱۸۸۲ء کو براہِ راست حکیم صاحب سے خریدا تھا۔ اس کے فروخت نامہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موصوف کے والد کا نام حکیم طرّے باز خان تھا۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ الحاقِ ناگپور (۱۸۵۴ء) کے بعد شدید معاشی بحران میں مبتلا ہو گئے تھے جس سے نجات حاصل کرنے کے لئے انھوں نے ۸ دسمبر ۱۸۷۵ء کو اپنی یہ ملکیت امان اللہ ولد کمّل کے پاس گرہن رکھ دی تھی۔
فروخت نامہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اس قطعۂ زمین پران کا ایک

عالیشان دواخانہ، رہائشی مکان، دیوان خانہ، اور باورچی خانہ تھا۔ اس میں مکانات کے علاوہ جو خالی جگہ تھی اس میں متعدد قسم کے بڑے بڑے درخت تھے۔ گویا وہ بڑے طمطراق اور کروفر والے انسان تھے۔

ہمارے کتب خانے میں ان کی ایک قلمی تصنیف مفید الخلایق (۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) محفوظ ہے۔ یہ مخطوطہ ۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا سائز ۱۰×۷ ہے۔ اس کے ہر صفحے پر ۱۲ سطریں ملتی ہیں۔ یہ کالی روشنائی سے خطِ کشید میں لکھا ہوا ہے۔ یہ رسالہ جو فارسی زبان میں ہے علم طب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں کئی نسخے تحریر کیے گئے ہیں۔ اس کی تصنیف کی تاریخ بھی عادل نے نکالی ہے جو دیوانِ ارمغان (ص: ۷) میں موجود ہے۔ اس قطعۂ تاریخ سے حکیم صاحب کی مقتدر اور بلند و بالا شخصیت اجاگر ہوتی ہے لہٰذا یہاں اسے تمام وکمال نقل کیا جاتا ہے:

امیر الاطبا، حکیم الزماں	بہارِ ریاضِ فروع و اصول
گرامی دُرِ بحرِ تشریح و طب	محیطِ علوم نقول و عقول
عنایت علی خان والا گہر	ملاذِ امیدِ شیوخ و کہول
فلاطونِ عصر و ارسطوِ دہر	فلاسف بہ پیشش بکنجِ خمول
ریاضی، طبیعی، طبیبے تمام	بفضلِ الٰہی بذاتش حصول
شناسد نکو مثلِ شیخ الرئیس	ہمہ گرم و سردِ مزاج و فضول
بہ تشخیصِ معقول ہر نسخہ اش	بود حسبِ قانونِ حکمت شمول
بتاثیرِ خاصِ علاجش زند	دم قربِ عیسیٰ بس کہ طبعِ نحول
بداند مزاجِ مریض و دوا	کند فرق زاں در سکوب و نکول
غبارِ درش، کحلِ ضعف البصر	شفائے باہلِ شعیرہ وصول
غرض چوں کہ آں شیرِ بیشہ جلال	کہ حاسد زنامش چو روبہ مہول
بدید عالمی راکہ باشد مدام	زخوفِ بلائے وبا دل ملول

مفید الخلائق کتابے نوشت | زشادی رخہ طبع تحسین شغول
زہے نسخہ بے عدیل و نظیر | کہ احباب زاں شاد و اعدا خذول
پئے سال طبعش بفکر آمدہ | دلِ خستہ عادلِ باذہول

بگفتا خرد، مصرعِ سالِ طبع
"مفید الخلائق، بہر دل قبول" ۱۲۸۵ھ

اس قطعہ تاریخ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حکیم صاحب نہ صرف فنِ طب میں لاثانی ملکہ رکھتے تھے بلکہ علوم نقول و عقول میں بھی وحیدِ عصر تھے۔ وہ فلسفہ، حکمت، طبیعات اور ریاضی کا ماہرانہ علم رکھتے تھے۔ عادل کا انھیں امیر الاطبا اور حکیم الزماں کے القاب و آداب سے یاد کرنا یا ان کے اوصاف و کمالات کا ذکر کرتے ہوئے اتنی بلند پایہ بات کہنا کوئی معمولی بات نہیں ہے اس لیے کہ وہ بذاتِ خود ایک زبردست عالم تھے اور ہر بات ذمے داری سے کہتے تھے۔ چنانچہ اس قطعہ کی روشنی میں حکیم صاحب کی جو شخصیت اور ان کا جو علمی مرتبہ سامنے آتا ہے وہ لائقِ اعتبار ہے۔

حکیم صاحب کے عادل سے گہرے مراسم اور تعلقات تھے۔ اس کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے جو عادل نے فارسی میں ان کے نام تحریر کیے ہیں۔ یہ خطوط عادل کے غیر مطبوعہ مجموعہ خطوط "نثر المتین" کے ص: ۱۹، ۴۵ اور ۴۸ پر ملتے ہیں۔ ان خطوط سے جو تعداد میں تین ہیں اور مختلف اوقات میں تحریر کیے گئے ہیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب حکیم صاحب معاشی بحران میں مبتلا ہوتے تو وہ فکرِ معیشت میں نقلِ مکانی کر کے حیدرآباد چلے گئے۔ وہیں ان کی زندگی کے آخری ایام گزرے۔ ان کو عادل نے یہ خطوط اپنی پچاس سالہ دوستی کے حوالے سے لکھے ہیں اور ان میں اپنے بھائی حسین علی کی بیماری کا تذکرہ کر کے ان سے مشورہ طلب کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد اکبر:

قدیم خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ عادل کے ہم زلف تھے۔ ناگپور میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ طب کی اعلیٰ تعلیم اندور میں پائی۔ وہیں سے طب کا امتحان پاس کیا اور اسی کو اپنے معاش کا ذریعہ بنایا۔ انھوں نے ۱۳۰۹ھ (۱۸۹۱ء) میں ناگپور میں رحلت فرمائی۔ عادل نے یہ قطعات تاریخ کہے ہیں :۔ [۱۲۷]

محمد اکبر ہم زلف بندہ   ز دنیا چوں سوئے جنت برفتا
بخواندی ہر گہے قرآں باواز   نمودے وجد ہر کس چوں شنفتا

برائے سال نقش طبع عادل
محمد اکبر خوش لحن گفتا ۱۳۰۹ھ

برفتہ چوں سوئے گلزار جنت   محمد اکبر سیراب احساں
دبستان طبابت را ازاں فخر   بودہ در طبابت مثل لقماں

بگو عادل بن تاریخ فوتش
محمد اکبر عزت دبستاں ۱۳۰۹ھ

وہ پاکیزہ سیرت، بلند اخلاق اور دور اندیش انسان تھے۔ جب اندور میں بسلسلہ تعلیم مقیم تھے، عادل نے اردو میں کئی خطوط ان کے نام لکھے۔ یہ آج بھی مخطوطے کی صورت میں محفوظ ہیں اور دونوں کے گہرے مراسم پر روشنی ڈالتے ہیں۔ عادل انھیں بے انتہا عزیز رکھتے تھے اور وہ بھی عادل سے ہر معاملے میں خواہ وہ گھریلو ہو یا مذہبی صلاح مشورہ لیتے تھے۔

ان کے چار بیٹے ہوئے: شیخ عبدالباطن صدیقی (۱۲۹۳ھ) شیخ عبدالمجید صدیقی (۱۲۸۸ ف)، شیخ کسب الدین صدیقی (۱۳۰۱ھ) اور شیخ عبدالمحیی صدیقی (۱۲۹۹ ف)۔ یہ سارے تاریخی نام عادل کے نکالے ہوئے ہیں۔ ان لڑکوں کی ولادت پر عادل نے جو قطعات تاریخ کہے ہیں ان کے تاریخی مادے یہ ہیں :۔ [۱۲۸]

" شیخ عبدالباطن صدیقیؒ نام رسالۂ آں ۱۲۹۳ھ

" شیخ عبدالمجید صدیقی " ۱۲۸۸ ف

" شیخ کسب الدین صدیقی " بگو ۱۳۰۱ ھ

" شیخ عبدالحیی صدیقی " بگو ۱۲۹۹ ف

ان کے اخلاف صدر بازار ناگپور میں رہتے ہیں۔ کچھ جعفر نگر (احباب کالونی) میں سکونت پذیر ہیں اور باطن برادرس کے نام سے جانے جاتے ہیں۔

حواشی:

۱۱۷ء ناگپور ریذیڈنسی ریکارڈ جلد پنجم بائی ایچ این سنہا مطبوعہ گورنمنٹ پریس ناگپور (۱۹۵۸ء)

۱۱۸ء روزنامچہ بہادر علی ۱۸۷۴ء (قلمی)، ص: ۴۷

۱۱۹ء مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی)، ص: ۲۵۱ تا ۲۵۴

۱۲۰ء دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی)، ص: ۳۱

۱۲۱ء دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی)، ص: ۳۰، ۳۱

۱۲۲ء دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی)، ص: ۲۹، ۳۰

۱۲۳ء دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری، ص: ۳۱

۱۲۴ء دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری، ص: ۲۰

روزنامچہ بہادر علی ۱۸۷۴ء (قلمی) ص: ۲۶

۱۲۵ء مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۳۳۰

۱۲۶ء یہ تفصیلات جناب سید منیاد حسین سے فراہم ہوئی ہیں۔

۱۲۷ء دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی)، ص: ۴۳، ۴۴

۱۲۸ء دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۱۵، ۲۱، ۴۲

علماء و صلحاء

ناگپور میں علماء و صلحا کی آمد اس شہر کے قیام کے ساتھ ہوئی۔ حافظ نور محمد پہلے عالم دین اور حافظِ قرآن ہیں جو راجہ بخت بلند شاہ کے ساتھ دیوگڑھ سے ناگپور آئے اور شاہی مسجد کے امام مقرر ہوئے۔ یہ منصب ان کے خاندان میں تقریباً ایک سو بیس سال تک رہا۔ ان کے بعد سلسلۂ مداریہ کے ایک بزرگ سجن گلزار ناگپور تشریف لائے جن کے گرد عقیدت مندوں کا ایک بڑا حلقہ تھا۔ میر ببر علی کا خاندان بھی اسی عہد میں ناگپور میں آباد ہوا جس کے بعض افراد نیک صفت اور اچھے عالم تھے۔

عہد بھوسلہ میں یہاں علماء و صلحا کی کمی نہیں تھی لیکن افسوس کہ ان کا کوئی تفصیلی ریکارڈ نہیں ملتا۔ بس انھی بزرگوں کے نام اور کام محفوظ رہ گئے ہیں جو قاضی محمد شمس الدین کی کتاب مجموعۂ شمسی، غمگین کی کتاب ملہمات نیض آیات اور عادل کے دیوانِ تاریخات وغیرہ میں شامل ہیں۔ ہم انھی کی مدد سے چند برگزیدہ ہستیوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

حافظ نور محمدؒ :

ان کے والد کا نام حافظ محمد مرید تھا۔ وہ حکومت دیوگڑھ سے وابستہ تھے۔ بڑے متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔

حافظ نور محمد، بخت بلند شاہ کے ہمراہ اس وقت دیوگڑھ سے ناگپور آئے جب اس نے ناگپور کو آباد کر کے ۱۷۰۶ء میں اسے اپنی حکومت کا صدر مقام بنایا۔ موصوف کا شمار بخت بلند شاہ کے مقربین خاص میں تھا۔ ان کی رہائش گاہ جاٹبا کے تعمیر کردہ قلعہ میں تھی۔ اسی قلعہ میں خدا کی عبادت و بندگی کے لیے بخت بلند شاہ نے مسجد تعمیر کروائی تھی۔ حافظ نور محمد اسی میں امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔ وہ نمازِ عیدین، نماز جمعہ اور نماز تراویح بھی پڑھاتے تھے۔ یوں شاہی امام کی حیثیت رکھتے تھے۔ [۱۲۹]

حافظ نور محمد کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے حافظ عبدالبلاقی اور پوتے حافظ شیخ احمد یکے بعد دیگرے اس منصب پر فائز ہوئے۔

حافظ شیخ احمد کے دو بیٹے تھے : بڑے بیٹے کا نام حافظ پیراں اور چھوٹے کا جمال محمد تھا۔ حافظ شیخ احمد کی وفات کے بعد حافظ پیراں نے یہ خدمت انجام دی۔

حافظ پیراں کے بعد ان کے بیٹے حافظ محمد پناہ اس منصب پر مامور ہوئے۔ انھوں نے راجہ رحمٰن شاہ (ف: ۱۸۵۲ء) کے عہد میں انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں رحلت فرمائی۔ چوں کہ حافظ محمد پناہ لاولد فوت ہوئے تھے اور ان کے خاندان میں کوئی دوسرا شخص حافظ نہیں تھا، اس لیے اس در کے ایک دوسرے بزرگ اور خوش الحان قاری حافظ ولی خان کو یہ ذمے داری عطا کی گئی۔

اس طرح حافظ نور محمد اور ان کے اخلاف تقریباً ایک سو بیس سال تک شاہی امام کے منصب پر مامور رہے۔ اس خاندان کے گونڈ راجگان سے گہرے مراسم تھے۔ وہ ان کی بے انتہا عزت کرتے۔ ان سے دینی معاملات میں صلاح مشورہ کرتے۔

عیدین کی نماز ادا کرنے کے لیے اپنے شاہی کروفر کے ساتھ ان کے ہمراہ ہاتھی پر بیٹھ کر عیدگاہ جاتے اور اسی شان وشوکت سے اپنے محل واپس ہوتے۔

حافظ ولی خانؒ :

حافظ محمد پناہ کے انتقال کے بعد راجہ رحمٰن شاہ نے حافظ ولی خان کو اپنے منتظم حسن خاں کے صلاح مشورے سے شاہی امام مقرر کیا تھا۔

موصوف پابندِ شرع اور صاحبِ تقویٰ تھے۔ ان کی صحت تندرست، ان کا جسم مضبوط اور ان کا حافظہ قوی تھا۔ ان کی آواز میں بلا کی جاذبیت اور کشش تھی۔ ۱۳۰؎ انھیں ناگپور میں اس لحاظ سے بھی نمایاں مقام حاصل تھا کہ ان کے بیٹے محمد سبحان خان راجہ رگھوجی ثالث کی انتظامیہ میں جمعدار کے منصب پر فائز تھے۔

حافظ ولی خان کے انتقال کے بعد یہ منصب ان کے پوتے حافظ محمد عثمان خان کو ملا۔ وہ محمد سبحان خان کے بیٹے تھے۔ ایک اچھے حافظ اور قاری تھے۔ جب ۱۲۶۹ھ (۱۸۵۲ء) میں ان کی شادی ہوئی تو عادل نے یہ بے مثال قطعۂ تاریخ کہا۔ ۱۳۱؎

۴۰	مہِ سمائے وفا و محبِ خاص الخاص	۹۰
۲	بہارِ باغِ ولا و گلِ ریاضِ و مراد	۴
۸	حسین و در فنِ اشعار ہمسرِ ناسخ	۶۰۰
۸	حدیقۂ کرم و لطف و مہر را شمشاد	۴
۳	چناں جمیل کہ چوں یوسف اسمِ او مشہور	۲۰۰
۴	دلش ز قیدِ فریبِ جہانیاں آزاد	۴
۲۰۰	رشیدِ دورِ زماں نامِ نامی عثماں خاں	۵۰
۴۰۰	تمام اہلِ علوم و فنون را استاد	۴

۲۰۰ شدہ زفرطِ عنایاتِ کبریا نوشہ ۵

۲۰۰ شگفت حسبِ تمنائے دل ریاضِ مراد ۴

۲ بدادہ جائیے سالِ نشاط اے دانش ۲۰۰

۲ بگو : باہلِ جہاں خورمی مبارک باد ۴

۱۲۶۹ھ —— ۱۲۶۹ھ —— ۱۲۶۹ھ

اس قطعۂ تاریخ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حافظ محمد عثمان خان خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ انھیں کئی علوم پر دسترس حاصل تھی۔ شاعری سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ ناسخ کے رنگ میں شعر کہا کرتے تھے۔ اس قطعۂ تاریخ کے سر نامہ میں ان کا تخلص غافل اور ان کے والد کا نام محمد سبحان خان جمعدار تحریر ہے۔ انھوں نے انیسویں صدی کے اختتام پر رحلت فرمائی۔ ان کے خاندان کے افراد آج بھی ناگپور میں آباد ہیں۔

سجن گلزار[۳] :

سجن گلزار، ناگپور کی تکیہ دیوان شاہ کے بانی اور اس کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ ان کا روحانی سلسلہ شیر علی گلزار، محمد گلزار، شریف حسین عاشقاں، میر امکن سیلانی اور سید جمن سے ہوتا ہوا سلسلۂ مداریہ کے بانی سید شاہ بدیع الدین قطب المدار اف ۸۳۸ھ/ ۱۴۳۴ء) سے ملتا ہے جو عوام و خواص میں زندہ شاہ مدار کے نام سے مقبول ہیں۔ ان کا مزار قنوج کے نواح میں واقع موضع مکن پور (یوپی) میں ہے۔ وہ ہمرز سے کالپی آئے اور وہاں سے مکن پور منتقل ہوئے۔ ان کا طریق جذب خلائق کا تھا اور ان کی لوگوں میں بڑی شہرت تھی۔

سجن گلزار گونڈ راجہ کے عہد (۱۷۰۶ء - ۱۷۳۵ء) میں مکن پور سے ناگپور آئے

اور اپنے سلسلے کی ترویج و اشاعت میں مصروف ہوئے۔ یہاں انھیں بے حد مقبولیت ملی اور متعدد افراد ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ بعد کو بھوسلہ راجہ بھی ان کا گرویدہ ہوا اور انھیں کافی جاگیریں عطا کیں۔

سجن گلزار نے اسی کے ایک حصہ میں اپنا تکیہ قائم کیا۔ یہی تکیہ دیوان شاہ کہلاتا ہے انھوں نے اس میں اپنے رہنے کے لئے رہائشی مکان، اور عبادت کے لیے مسجد تعمیر کروائی۔ ۱۳۲ھ

سجن گلزار کی وفات کے بعد شمس علی گلزار، رحمٰن علی گلزار، گوہر علی گلزار، حسن علی گلزار، ملنگ علی گلزار، غوث علی گلزار (ف: ۱۹۱۲ء)، اور امام علی گلزار (ف: ۲۲ مئی ۱۹۶۵ء) اس تکیہ میں مسند نشیں ہوئے۔ غوث علی گلزار کو چھوڑ کر بقیہ تمام کی قبریں تکیہ دیوان شاہ میں ہیں۔ غوث علی گلزار، موگرا (تحصیل پارسیونی ضلع ناگپور) میں مدفون ہیں۔ اس وقت لائق گلزار اس تکیہ کے مسند نشین ہیں۔ سجن گلزار کی تعمیر کردہ خانقاہ، مسجد اور ان کے جانشینوں کے مکانات آج بھی محفوظ ہیں۔

میر ببر علیؒ:

ان کے والد کا نام میر بہادر علی تھا۔ میر بہادر علی کے دو بھائی اور تھے: میر ناثر علی اور میر نثار علی۔ ان کے تقوے کا یہ عالم تھا کہ یہ دونوں حج بیت اللہ کے لیے پاپیادہ ہی روانہ ہو گئے۔ خاندانی روایت کے مطابق نثار علی کا انتقال جدہ میں ہوا جبکہ ناثر علی نے بمبئی میں رحلت فرمائی۔

میر ببر علی کا خاندان گونڈ راجہ کے دورِ حکومت میں دکن سے ناگپور آیا اور یہاں مستقل آباد ہو گیا۔ ان کی شادی وجیہہ الدین کی چھوٹی بیٹی کے ہمراہ ہوئی تھی۔ وہ ایک دیندار اور خدا رسیدہ انسان تھے۔ انھیں مولوی فرحت اللہ کے بیٹے

مولوی احمداللہ کے انتقال (۱۸۴۵ء) کے بعد جمعہ مسجد کا متولی مقرر کیا گیا تھا۔ ۱۳۳؎
ان کی وفات کے بعد جمعہ مسجد کے متولی انھی کے اخلاف مقرر ہوتے رہے۔ چنانچہ میر سبحان علی کے بعد ان کے بیٹے میر واجد علی متولی ہوتے۔ وہ حافظِ قرآن تھے۔ میر واجد علی کے دو بیٹے تھے: میر سبحان علی اور میر حیدر علی۔ یہ دونوں بھائی اپنے والد کے انتقال کے بعد یکے بعد دیگرے متولی بنائے گئے۔ میر سبحان علی اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ وہ ناگپور میونسپلٹی میں منشی تھے۔ مسلم لیگ شاخ ناگپور کے سابق صدر مرحوم میر خورشید علی خورشید (ف: ۱۹۹۰ء) انھی کے بیٹے تھے۔ یہ اپنے چچا میر حیدر علی کے بعد ۱۹۲۷ء میں جمعہ مسجد کے متولی بنائے گئے تھے۔ موصوف اردو فارسی کے ایک اچھے شاعر تھے۔ ان کا تذکرہ "ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر" (ص: ۱۰۲) میں کیا جا چکا ہے۔

شاہ جلال الدینؒ:

ایسا کہا جاتا ہے کہ رگھوجی ثانی کی عرب فوج میں تھے۔ وہ نہ صرف فن حرب کے ماہر تھے بلکہ روحانی دنیا میں بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ جب نومبر ۱۸۱۷ء میں بھوسلہ اور انگریز فوج کے درمیان سیتابلڈی کے قلعہ کے اطراف زبردست لڑائی ہوئی تو اس میں انھوں نے خوب داد شجاعت دی۔ یہاں تک کہ انھیں جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔

ان کا مزار کونسل ہال (ناگپور) کے احاطے میں عجائب گھر کے سامنے ہے۔ یہاں ہر سال ۲۶ رجب کو شاندار پیمانے پر عرس ہوتا ہے۔ ان کی قبر کے سرہانے نیم کا سایہ دار درخت ہے اس لئے عوام میں "میٹھا نیم" کے نام سے مقبول ہیں۔

شاہ حسنؒ :

شاہ حسنؒ اپنے دور کے ایک زبردست صوفی اور روشن ضمیر انسان تھے۔ دکن کے رہنے والے تھے۔ اٹھارویں صدی کی چھٹی یا ساتویں دہائی میں ناگپور میں آبسے تھے۔ انھوں نے ۱۸۱۷ء (۱۲۳۳ھ) میں رحلت فرمائی۔ ان کا مزار حسن باغ میں مرجعِ خلائق ہے۔ غمگین نے ان کے انتقال سے متاثر ہوکر جو قطعۂ تاریخ کہا ہے اس میں انھیں "شیخ المشائخ کبار" کے لقب سے یاد کیا ہے اس سے ان کے بلند مرتبہ کا پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ناگپور میں انتہائی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ قطعۂ تاریخ حسبِ ذیل ہے۔ ۱۳۴

آہ شیخ المشائخ کبار
گشت موصول بارگاہِ کریم
گفت تاریخِ رحلتش غمگیں
"شد حسن شاہ در منامِ نعیم" ۱۲۳۳ھ

موجودہ حسن باغ انھیں کے نام سے آباد ہے۔ یہ نواب صدیق علی خان کی ملکیت تھی۔ نواب موصوف کو ان سے بے انتہا عقیدت تھی۔

مولوی عمادالدینؒ زیب :

زیب اپنے دور کے ایک نامور عالم اور بزرگ تھے۔ ان کے شاگرد غمگین نے ان کے انتقال پر ۱۵، ۱۷ اشعار پر مشتمل جو قطعۂ تاریخ کہا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں صرف، نحو، منطق، معانی، حکمت، فلسفہ، فقہ، تفسیر، حدیث اصول، کلام، تجوید، فرائض، طب اور ریاضی جیسے مشکل علوم پر کامل مہارت تھی۔ ان خوبیوں کو اجاگر کرنے کے بعد غمگین لکھتے ہیں۔ ۱۳۵

چاردہ علم با اصول و فروع ہمہ در ذہن جامعش مجموع

غیر ازیں علمہا فنونِ دگر | دست بستہ بہ پیشِ او حاضر
چوں عروض و قوافی اخلاق | کتبِ فارسی مع الاخلاق
الغرض آں چنیں مدارِ کمال | یافتن اندریں زمانہ محال
از سرِ حسن و خلق و فرطِ تمیز | بود در خلقِ عام و خاص عزیز
در ظرافت بگفتگو بودے | بہمہ وقت خندہ رو بودے
سن و سالِ شریف آں استاد | متجاوز شدہ چو از ہشتاد
مبتلا شد بمرضِ فالج شد | کس ندیدش لاعلاج شد
آخر الامر از قضائے اللہ | سکراتش نمود شد ناگاہ
صبح یک شنبہ آمدش وعدہ | ہفدہم راز ماہِ ذی قعدہ
باکمالِ سکون و ہوش و قرار | ذکر و تہلیل و توبہ استغفار
روحِ خود را کہ روح الحال داشت | در گلستانِ جنتش بگذاشت
بہرِ تاریخِ رحلتش دیشب | فکر می ساختم کہ ہاتفِ رب

داد آوازِ غیب کایں غمگیں

فایزِ خلد شہ عمادالدیں ۱۲۴۷ھ

ان اشعار کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اصول و فروع کے مذکورہ چودہ علوم کے علاوہ زیب دیگر علوم و فنون میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ وہ شاعری کے فن سے بھی پوری طرح واقف تھے۔ ہر خاص و عام میں ان کی شہرت تھی ظرافت و بذلہ سنجی ان کی فطرت میں داخل تھی۔ انھوں نے ۸۰ سال سے زائد عمر پائی۔ اخیر میں ان پر فالج کا حملہ ہوا اور یہی ان کی موت کا سبب بنا۔ انھوں نے بروز اتوار، ۱۷ ذی قعدہ ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۱ء) کو رحلت فرمائی۔ ان کا سالِ ولادت ان کی عمر کے حساب سے ۱۷۵۰ء کے آس پاس ہوتا ہے۔

شیخ محب الحق شرف :

غمگین کے ایک منظوم خط سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے زیب کے انتقال کے بعد شیخ محب الحق شرف سے اصلاح لی تھی۔ غمگین نے اس خط کا آغاز ان شعروں سے کیا ہے۔ ۱۱۳۶ھ

ناشر العلم، ناصر العلما — نامد الشعر، ناظم الشعرا
نظمش آراستہ مکانِ سخن — شد ز نثرش بلند شانِ سخن
فیضیاب از کمالِ اہل الحق — شیخ عالی نسب محب الحق
دام اشفاقہ، علیٰ حالی
فائز اصلاحہ، با قوالی

یہ اشعار ظاہر کرتے ہیں کہ شرف اپنے دور کے ایک جید عالم اور شاعر تھے۔ اس خط میں غمگین نے شرف سے اس قطعۂ تاریخ کی اصلاح کی درخواست کی ہے جو انھوں نے مولوی عماد الدین زیب کی وفات سے متاثر ہو کر کہا تھا۔ افسوس کہ شرف کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔

عبد السلام رح :

غمگین نے ان کے انتقال پر جو قطعۂ تاریخ کہا ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موصوف اس دور کے ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ انھوں نے ۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ء) میں رحلت فرمائی۔ قطعۂ تاریخ ہے۔ ۱۲۳۷ھ

دریغا کہ چوں حضرت عبد السلام
بفردوسِ عالی سبک سیر شد
زمن سالِ تاریخ او پیرِ عقل
بگفتا: کہ انجام باخیر شد ۱۲۳۷ھ

سید احمد قادریؒ:

غمگین کی کتاب مُہماتِ فیض آیات میں سید احمد قادریؒ کی پیدائش اور ان کی وفات کا جو قطعۂ تاریخ ملتا ہے کہ اس کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موصوف کا تعلق قادری سلسلے سے تھا اور ان کا نسب حسنی حسینی تھا۔ ان کے والد کا نام سید حبیب اللہؒ تھا۔ جو بذاتِ خود ایک نیک صفت اور روشن ضمیر انسان تھے۔ وہ دکن سے ناگپور آئے تھے اور یہاں مستقل آباد ہو گئے تھے۔ غمگین سے ان کے گہرے مراسم تھے اور وہ انہیں انتہائی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

سید احمد قادریؒ بروز پیر، یکم محرم ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷ء) کو ناگپور میں پیدا ہوئے، جیسا کہ اس قطعۂ تاریخ سے ظاہر ہے۔ ۱۳۸

شکر صد شکر در جنابِ کریم — کہ بود لطف او بعام ندیم

ہست مصداق ایں مقال ہمیں — کہ بتاریخ نیک و حین بہیں

خانۂ سیدِ حبیب اللہ — گشت روشن ز طلعتِ یکماہ

ای کہ طفلے شدہ شریف ابد — یافتہ نام مصطفیٰ احمد

بود حینِ ولادتِ آں مہ — صبح صادق زلیل دو شنبہ

ہم زمانِ ورودِ آں طفلک — ساعتِ مشتری بدہ بیشک

بنشستم شبے بسا حیراں — ای بفکر سن ولادتِ آں

پس سروشے رسید از خالق — ایں چہ داری تو فکرائے صادق

چوں تو سالِ ولادتش جوئے

بدرِ برجِ سیادتش گوئے

۱۲۳۳ھ

جب جوان ہوئے تو طریقت میں کافی مقبولیت حاصل کی اور خاص و عام میں امدد میاں کے لقب سے مشہور ہوئے۔ انھوں نے ۴۰ سال کی عمر میں تپ دسرفہ کے باعث بروز اتوار یکم ربیع الاول ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷ء) کو صبح کے وقت رحلت

فرمائی۔ غمگین نے یہ قطعۂ تاریخ کہا۔ ۱۳۹ء

سید احمد موحدِ ذی جاہ ۔۔۔ ولدِ صالحِ حبیب اللہ
قادری الحسب، شریف خطاب ۔۔۔ حسنی و حسینی الانساب
چوں قریبِ چہل بعمر رسید ۔۔۔ بہ تپ و سرفہ مبتلا گردید
روز اول ربیع الاول را ۔۔۔ صبح یک شنبہ بود واو یلا
کہ بنزع رواں ز دارِ فنا ۔۔۔ متوجہ شدہ بدارِ بقا
سالِ تاریخ آں سعید انام ۔۔۔ جستم از ہاتفِ ستودہ پیام
ایں سروش آمدہ زکہنہ رواق
مصدرِ حلم و کامل الاخلاق ۔۔۔ ۱۲۷۴ھ

معین الدین فخریؔ:

ان کی وفات کی تاریخ بھی غمگین نے کہی ہے۔ قطعۂ تاریخ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ ایک نیک انسان تھے۔ پاکیزہ سیرت وکردار کے مالک تھے۔ ان کا چہرہ نورانی تھا۔ انھوں نے ۸۰ سال کی عمر میں بروز جمعرات ۵ ربیع الثانی ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶ء) کو وفات پائی۔ دیکھئے۔ ۱۴۰ء

معین الدین فخری مردِ صالح ۔۔۔ بحسنِ سیرت و صورت مجلا
چو عمر او رسیدہ قرب ہشتاد ۔۔۔ شدہ عازم بسیر ملکِ بالا
بماہی کاں ربیع الثانیس نام ۔۔۔ ازاں تاریخ پنجم بود پیدا
صباحِ پنج شنبہ بود کاندم ۔۔۔ برآمد جانِ او با ذکرِ مولا
بتاریخ وفاتش گفت ہاتف
ازیں دارِ فنا رفتہ بعقبیٰ ۔۔۔ ۱۲۷۳ھ

صوفی محمد ابراہیمؒ :

اصل نام سید محمد یعقوب تھا لیکن لوگوں میں اپنی عرفیت صوفی سید ابراہیم کے نام سے مشہور رہتے تھے۔ ان کا مکان بھوتیہ دروازہ میں عادل کے مکان عرب کے باڑے کے پاس تھا۔

موصوف سلسلۂ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انھیں تصوف و سلوک سے گہری دلچسپی تھی۔ مذہبی علوم کے ماہر تھے۔ ان کی کئی قلمی تصانیف گردشِ وقت میں ضائع ہوگئیں۔ ان کا ۱۲۷۶ھ (۱۸۵۹ء) میں انتقال ہوا۔ ان کی وفات سے متاثر ہوکر نگین نے جو قطعۂ تاریخ کہا ہے وہ ان کی بلند پایہ علمی و مذہبی شخصیت کو ظاہر کرتا ہے۔ دیکھئے ۱۴۱ھ

زہے سید پاک یعقوب نام — بسید براہیم عرفِ انام
کریم الحسب، قادری النسب — مجلّا باخلاق و حسنِ ادب
سخن از زبانش کہ ملفوظ شد — بسمعش دلِ خلق محفوظ شد
ظریفیکہ از لطفِ گفتار او — شود مستمع محوِ تکرار او
ز تقریر او خندہ شد تواماں — بیانش بود مزرعِ زعفراں
بہر مجلس کاں سخن سنج رفت — دراں جا خوشی آمد و رنج رفت
مرا بود او مشفق و مہرباں — بسانِ برادر برابر بجاں
ز تو عمر تا ایں زماں او و من — بماندیم یکدل بسرّ و علن
بظاہر چو گہہ گہہ جدائی شدیم — ولیکن بباطن یگانہ بودیم
یگانہ کہ آں یار دیرینہ ام — حبیب صفا سینہ بے کینہ ام
کنوں رفت آں جا کہ رجعت نماند — کہ ایں فرقتم تا قیامت بماند
ز من او جدا گرچہ در ظاہر است — دلے یادِ او در دلم دائر است
جمالش بجانم صبوری دہ است — بپس اکنوں زباں را خموشی بہ است

پئے سالِ تاریخ آں یارِ غار　　تامل نمودم کہ انجام کار
خرد گفت ایں مصرعۂ مستقیم
رفیق و شفیق و صدیق و صمیم　　۱۲۷۶ھ

ان کے بیٹے صاحب حسین بھی نیک انسان تھے۔ صاحب حسین کے چار بیٹے تھے : حیدر حسین ، محمد حسین ، شیخ ابراہیم عرف دادا میاں اور شیخ فرید۔ یہ سب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ فی الحال حیدر حسین اور محمد حسین کے اخلاف صوفی ابراہیم کے مکان میں رہتے ہیں۔

مولانا سیّد محمد قادریؒ :

دکن کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے نقل مکانی کر کے ناگپور آئے اور یہیں آباد ہو گئے۔ غمگین نے ان کی وفات پر جو قطعۂ تاریخ کہا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف روشن ضمیر تھے۔ مذہبی علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ غمگین نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے ۵ شوال ۱۲۷۶ھ (۱۸۶۰ء) کو انتقال کیا۔ قطعۂ تاریخ ہے۔ ۱۴۲ھ

حضرتِ سید محمد قادری　　عارفِ باللہ و شیخِ مقتدا
حامیِ دیں ، ماحیِ بدعات و شرک　　کاشفِ علم الدّنیٰ ، نورِ ہدا
دایما مشغول تدریسِ علوم　　حافظِ قرآں ، بالحان و ادا
در نصیحت بیرعایت لب کشا　　بود یکساں پیشِ او شاہ و گدا
در دکن مسکن خاما روئے او　　مستفیض الحال از فیضِ خدا
در دستِ حق ، شاغل ، بارشادِ خلق　　کان فی الدنیا ولیا مرشدا
در مہِ شوال دفی لیل الخمیس　　روحِ پاک او شدہ از تن جدا
رفت از دنیا بدرگاہِ کریم

شاہ محی الدّین بادشاہ رح :

ان کا تعلق دکن کے اس خاندان سے ہے، جس خاندان کے دو مشہور و معروف بزرگ : سید محمد حسین شہمیر (شاہ میر) اور شاہ کمال الدین کے حالات ڈاکٹر حبیب النسا بیگم دلی اللہ نے اپنی تحقیقی کتاب ریاست میسور میں اردو کی نشو و نما میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ سید سلطان محی الدین بادشاہ قادری سلک (غوث نما) کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا جن کی کئی تصانیف کا تعارف ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے تذکرہ اردو مخطوطات کی مختلف جلدوں میں کروایا ہے۔

یہ خاندان دکن میں تصوف و سلوک کے ساتھ علمی و ادبی لحاظ سے بھی بلند مرتبہ تھا۔ جب ٹیپو سلطان کی شہادت کے بعد اس خاندان کا شیرازہ منتشر ہوا تو شاہ محی الدین بادشاہ اپنے خاندان کے ہمراہ ہجرت کر کے ناگپور چلے آئے اور یہیں آباد ہو گئے۔

ان کے جد امجد کا نام جمال اللہ، چچا کا نام کمال اللہ اور والد کا نام نور اللہ تھا۔ یہ تینوں صوفی اور روشن ضمیر تھے۔ اور جمال الدین اور نور الدین کے نام سے بھی مشہور تھے۔

شاہ محی الدین بادشاہ کو ناگپور میں تصوف و سلوک میں ایک نمایاں مقام حاصل ہوا اور کئی لوگ ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ ناگپور کے جید عالم اور شاعر غمگین بھی ان کے مرید تھے۔ انھوں نے بروز جمعہ ۲۷ ربیع الثانی (۱۸۷۰ء) کو بوقتِ عصر رحلت فرمائی۔ ان کے انتقال کی غمگین نے یہ تاریخ کہی ہے۔ ۱۲۴۳ھ

جناب مرشدِ پیرِ طریقت، صاحبِ عرفاں

باسرارِ حقائق عارف و در معرفت یکتا
سخنہائے معارف از زبانِ دُرفشانِ او
مسلسل می برآید، چوں برآمد موج از دریا
شریعت با طریقت جمع کردن کارِ دشوار است
مگر آں جامع الاضداد کردہ ہر دو را یک جا
غرض ایں رہنمائے خلق عزمِ وصلِ حق کردہ
برآمد زیں تعین، لاتعین گشت واویلا
بروز جمعہ، بست و ہفتم ماہ ربیع آخر
عقیب عصر کاں خیر من الدنیا و ما فیہا
بعینِ فیض وامدادِ کمال اللہ، جمال اللہ
بشد مقروں زنور اللہ محی الدین والدنیا ۱۲۸۷ھ

مرشد ما شہہ محی الدین زیں جہاں یافت سوئے جنت راہ
خادمی گفت مصرعِ تاریخ مخزن العلم، عارفِ باللہ
۱۲۸۷ھ

سیّد محمد ذکریاؒ :

شاہ محی الدین بادشاہ کے فرزندِ ارجمند تھے۔ اپنے وقت کے صاحبِ کمال بزرگ اور اپنے والد کے حقیقی جانشین تھے۔ انھوں نے بروز جمعرات ۱۹ جمادی الثانی ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) کو عین جوانی میں رحلت فرمائی۔ ان کی وفات پر غمگین نے یہ قطعۂ تاریخ کہا۔ ۴۴ لے

ذکرو میاں تھے لختِ دلِ شاہ محی الدین

فرزند میرے پیر کے اور ان کے جانشین
حضرت کا نام ان سے منور تھا اور نشاں
نورِ الٰہ گھرانے کے تھے شمعِ خانداں
صاحب کمال، مہرِ جلال، ومہہِ جمال
شہمیر دار، نورِ الٰہی سے پُر کمال
مصباح محی الدین بخارا کے تھے وہ نور
ملتا للنے تا بہ کنزیہ دکر نول و ناگپور
افسوس ہے کہ عین جوانی میں وہ سراج
بے نور ہوگیا ہے ہوائے وبا سے آج
یعنی عقیبِ عصر، جمعرات کا تھا روز
انیسویں جمادی الآخر کی سینہ سوز
سالِ وفات کا نہیں اس دن لگا سراغ
جب شب ہوئی تو دل نے کہا "گل ہوا چراغ" ۱۲۶۶ھ

مفتی امان الحق :

ریواڑی کے خاندانِ افتا میں مفتی امان الحق بلند پایہ حیثیت کے مالک تھے۔ وہ خان کے خطاب سے سرفراز کئے گئے تھے۔ علمِ ظاہری اور علم باطنی سے آراستہ تھے۔ سلسلۂ طریقت میں حضرت بندگی شاہ کے مرید تھے۔ موصوف بھی اپنے خاندان کے ہمراہ ناگپور تشریف لائے۔ ان کا خاندان الحاقِ ناگپور کے بعد ۱۸۷۵ء کے آس پاس منتشر ہوا۔ ان میں سے کچھ نے بھوپال میں اور کچھ نے حیدرآباد میں سکونت اختیار کی۔

مفتی امان الحق کے بڑے بیٹے کا نام مفتی ظفر علی تھا۔ مفتی ظفر علی کے بیٹے تھے

مفتی عنایت علی خان جو ۱۸۰۸ء میں ریواڑی میں پیدا ہوئے۔ ان کی شادی محمد عبدالکریم ابن محمد اصغر کی بیٹی نجف النساء (ف: ۱۸۶۶ء) سے ناگپور میں ہوئی تھی۔ مفتی محمد صدیق انھی کے بیٹے تھے جنہوں نے ۱۸۸۹ء میں شاہ گنج بھوپال میں رحلت فرمائی۔

مفتی امان الحق کے دوسرے بیٹے مفتی عبدالعلی اور تیسرے بیٹے ثناء الحق تھے۔ مفتی ثناء الحق کے بیٹے مفتی محب حسین بڑے نامور شخص گزرے ہیں۔ انھوں نے ۲ ذی قعدہ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) کو حیدرآباد میں وفات پائی۔

مفتی امان الحق کے سب سے چھوٹے بیٹے مفتی امیر الحق تھے۔ وہ سید عباس علی شہرت کے داماد تھے۔ جب ۱۸۵۱ء میں ان کے گھر بیٹا پیدا ہوا تو شہرت کے شاگرد عادل نے ایک فنکارانہ قطعہ تاریخ کہا جو ان کے مجموعہ کلام جیش المضامین کے ص: ۲۳، ۲۴ اور دیوان تاریخات کے ص: ۳۰، ۲۳ پر موجود ہے۔

یہ پورا خاندان علمی اور مذہبی لحاظ سے بلند مرتبہ تھا۔ اسے اس دور میں ناگپور میں بہت مقبولیت حاصل تھی۔

مولوی سیّد محمد گلؒ:

مولوی سید محمد گلؒ ایک روشن ضمیر، پاک باطن، متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ ان کا اصل نام سید غلام حسام الدین تھا۔ ان کے والد سید محمد نور ابن سید عبدالحق بھی تقویٰ و طہارت کے پابند تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت علی تک پہنچتا ہے۔

موصوف دراصل افغانستان کے رہنے والے تھے۔ سفر حج کے زمانے میں مکہ معظمہ میں ان کی ملاقات ناگپور کے ایک تاجر سے ہوئی وہ ان میں محیر العقول کمالات کو دیکھ کر ان کا عقیدت مند ہو گیا۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی سنت

سماجت سرکے اپنے ہمراہ ناگپور لے آیا۔

ناگپور میں رفتہ رفتہ ان کی شہرت پھیل گئی۔ یہاں تک کہ گونڈ راجہ کے خاندان کے کئی افراد بھی ان کے گرویدہ ہوگئے اور انھیں ان کی طرف سے چھ سو روپے ماہانہ بطور نذرانہ ملنے لگا۔ جب ان کا حلقۂ ارادت وسیع ہوگیا تو انھوں نے محلہ نمک گنج کاٹاکا میں ایک مسجد اور خانقاہ تعمیر کروائی اور اسی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

موصوف نے اپنی خانقاہ میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ بچوں کو دینی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جب طلبہ کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوگیا تو مسجد کا صحن ان کا مکتب بن گیا۔ وہ زندگی بھر دینی علوم کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔ اس کے علاوہ کسی اور کام سے انھیں دلچسپی نہیں تھی۔ بس ذکر و فکر اور درس و تدریس ہی ان کی زندگی کا معمول رہی۔

ان کا انتقال کبر سنی کے باعث بروز بدھ ۱۲ ذیقعدہ ۱۲۹۳ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۸۷۶ء کو صبح کی نماز کے بعد ہوا۔ مسجد نمک گنج کاٹاکا کے احاطے میں پختہ مزار موجود ہے۔ زلفی ناگپوری نے ان کی وفات سے متاثر ہوکر کئی تاریخیں کہی ہیں۔ چند نقل کی جاتی ہے۔

مولوی سید محمد گل ان کو ہستی سے جب فراغ ہوا
سال رحلت یہ ان کا زلفی نے کہا اے ہائے گل چراغ ہوا
اور ہاتف سے یہ ندا آئی کہ یہ پیدا جگر کا داغ ہوا
اور بھی فکر جب ہوئی مجھ کو
بس یہی لکھ دیا فراغ ہوا ۱۲۹۳ھ

ہمارے پیر جو تھے سید محمد گل جب ان کا گلشن فردوس میں وصال ہوا
گئی بہار خزاں آئی باغ ہستی میں ہر ایک نخل طرب غم سے پائمال ہوا

توقمریاں بھی لگیں کرنے نالۂ کوکو — اور عندلیب کو رنج والم کماں ہوا
جو دیکھا ماتم گل میں ہیں طائرانِ چمن — ہمارے بلبلِ دل کا عجیب حال ہوا
فغاں ونالہ سے یک دم کے جب ہوئی فرصت — تو یک بیک مجھے تاریخ کا خیال ہوا
فلک سے ملہمِ غیبی نے دی ندا زلفی
وہ گل کا گلشنِ فانی سے انتقال ہوا ۱۲۹۳ھ

ہوا میرے مرشد کا جب انتقال — تو پیدا ہوا دل میں درد والم
کہا دل نے جاؤں کہاں کیا کروں — نہیں چین ہے اب مجھے کوئی دم
کبھی شور و فریاد، نالہ کبھی — کبھی آہ و گریہ، کبھی چشم نم
اسی شغل میں تھا کہ آ فکر نے — کہا سالِ رحلت ہو کوئی رقم
توزلفی نے بس کھینچ کر تین آہ
یہ تاریخ لکھا ہوا رنج وغم ۱۲۹۳ھ

مولوی سید محمد گل — ہوئے باغ جہاں سے ناپیدا
لکھ دو زلفی زردئے حسرت ویاس — اب یہ داغِ جگر ہوا پیدا
۱۲۹۳ھ

ان کی شادی کھنڈارہ کے کسی رئیس کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ ان سے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی۔ تینوں بیٹوں کا کمسنی میں انتقال ہوا۔ ان سب کے مزارات بھی مسجد کے احاطے میں حضرت گل کی مزار کے بغل میں ہیں۔ البتہ ان کی اکلوتی بیٹی سیدہ زینب گھر بار والی ہوکر فوت ہوئیں۔ سیدہ زینب کے دو بیٹے: مولوی محمد ریاض الدین اور محمد امیر الدین اور ایک بیٹی سیدہ حلیمہ عرف بسم اللہ بی تھی۔ یہی سیدہ حلیمہ ایڈوکیٹ سید ریاض الدین احمد کی والدہ ہیں۔ ان کا ۱۹۳۲ء میں انتقال ہوا۔

ان کا مزار بھی اسی مسجد میں حضرت گل کے پائنتیں ہے۔

مولوی سید محمد گل صاحب حدیث و فقہ کے ایک زبردست عالم تھے۔ انھیں عربی اور فارسی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ ان کی پوری زندگی عبادت و ریاضت اور درس و تدریس میں گزری۔ مستجاب الدعوات، اور عامل کامل تھے۔

حافظ فیض خان :

حافظ فیض خان ناگپور کے مجاہد آزادی نور محمد کھادی والا کے حقیقی نانا تھے۔ وہ اپنے دور کے ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ان کا خاندان سیتا بلڈی کے علاقے میں اس دور میں آباد ہوا جب یہاں ۱۸۱۷ء سے پہلے بھوسلہ راجہ کی فوجی چھاؤنی تھی۔ اس چھاؤنی سے متصل ایک مسجد تھی۔ حافظ فیض خان کے بزرگ اسی مسجد کے منتظم تھے۔ حافظ فیض خان زہد و تقویٰ کے پابند تھے۔ دینی امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ سلسلہ طریقت میں سید محمد گلؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ حاجی تھے اور حافظِ قرآن بھی۔ انھوں نے ۱۹۰۳ء میں رحلت فرمائی۔ ان کی وصیت کے مطابق انھیں اسی مسجد کے احاطے میں سپردِ خاک کیا گیا جس کے وہ منتظم و متولی تھے۔ آج بھی یہ مسجد انھی کے نام سے جانی جاتی ہے۔ جسمانی یادگار میں ان کا ایک بیٹا حسین خان اور دو بیٹیاں تھیں۔

ان کی ایک بیٹی لطیفہ بی شیخ انور ابن خان محمد سے بیاہی تھی۔ خان محمد فنِ سپہ گری میں ماہر تھے۔ وہ بھوسلہ راجہ کے یہاں ملازم تھے۔ انھیں شیر کے شکار کا بے حد شوق تھا۔

خان محمد کے پوتے نور محمد ابن شیخ انور جانے مانے مجاہد آزادی تھے۔ بنیادی طور پر کانگریسی خیالات کے حامی تھے۔ انھوں نے آزادی کی لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کچھ عرصہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں کھادی کے انسٹرکٹر رہے۔ چندے گاندھی

جی کے سیواگرام آشرم اور دھا سے بھی وابستہ رہے۔ انھوں نے ہندوستان بھر گھوم گھوم کر کھادی کا اس قدر پرچار کیا کہ کھادی والا اور ان کا نام لازم و ملزوم ہوگیا۔ موصوف نے ۱۹ نومبر 1985ء کو تقریباً ۸۷ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ مسلم قبرستان مومن پورہ ناگپور میں محو خوابِ ابدی ہیں۔ ہندی کے مشہور شاعر ڈاکٹر ساگر کھادی والا انھیں کے بیٹے ہیں۔

سید عباس علی شہرت :

عادل کے استاد تھے۔ اپنے دور کے ایک نامور عالم اور شاعر تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ان کی ایک تصنیف نعیما قلمی صورت میں محفوظ ہے۔ یہ ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں انھوں نے شیخ سعدی کی مشہور نظم کریما پر تضمین کی ہے۔ اس کا سالِ تصنیف ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ء) ہے۔
عادل کے قطعات تاریخ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ء) میں معدنِ عصمت کے عنوان سے ایک مثنوی قلمبند کی تھی۔ افسوس کہ ہمیں اس کا نسخہ فراہم نہ ہو سکا۔
انھیں تاریخ گوئی میں بھی زبردست مہارت حاصل تھی۔ ان کے بعض قطعاتِ تاریخ ناگپور کی تاریخی یادگاروں میں کتبہ کی صورت میں ملتے ہیں۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے شاہی خاندان سے گہرے مراسم تھے۔ وہ ایک دیندار انسان تھے۔ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوتے تھے۔ انھوں نے ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۷ء) میں رحلت فرمائی۔ ہم نے اپنی تصنیف ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر (ص: ۳۰ تا ۳۲) میں ان کا ذکر کیا ہے۔ قطعہ تاریخ وفات عادل نے کہا ہے:

نقدِ جاں با حضرتِ خالق سپرد	اوستادی شہرتِ والا ہنر
آہ صدر داد یارا گو شہرت بمرد	سالِ تاریخِ وفاتش عادلا

۱۳۰۵ھ

عیسوی تاریخ یہ ہے :

عباس علی شہرت گو بود داد ستادم　　زیں دار بے بقائے رفتہ بسوئے جنت
سالِ وفات عادل گو در سنِ مسیحی　　اے آہ حاجی شہرت، اے آہ حاجی شہرت

—— ۱۸۸۸ء ——

غلام عبد القادر خاں زلفی :

عادل کے چہیتے شاگرد تھے۔ تصوف و سلوک میں مولوی سید محمد گلؒ کے مرید تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ تاریخ گوئی میں غیر معمولی قدرت رکھتے تھے۔ انھوں نے ۱۹۰۲ء کے آس پاس رحلت فرمائی۔ تفصیل کے لئے ہماری تصنیف ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر ملاحظہ کیجئے۔

غلام دستگیر شرق :

عادل کے شاگرد تھے۔ ان کے والد کا نام سید محمد اشرف (۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۷ء) تھا۔ ان کی شادی (۱۲۷۵ھ / ۱۸۵۸ء) میں امداد حسین ابن اشرف حسین کی بیٹی بیگم صاحبہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ وہ ایک اچھے عالم اور شاعر تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

فتح خان :

عادل نے فتح خان کی وفات پر جو قطعۂ تاریخ کہا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف ایک خدارسیدہ انسان تھے۔ نیک دل، پاک باطن اور خوش گفتار تھے۔ قطعۂ تاریخ حسبِ ذیل ہے۔ [۴۶]

بلبلِ گلشن بنال ام وز روز ماتم است

زخمۂ منقار باساز طرب اقرب مساز
گل نہ خندد اے صباد رباغ جائے گریہ است
تا بہ لب غنچہ نیارد از درونِ خویش راز
سینہ کوبی ساز طاؤسِ چمن پارا مکوب
شورِ غم انگیز د بردل داغ دارو د مناز
شانہ بگذار از کفِ دستِ خود اے بادِ سحر
تاب دادہ تانہ ساز زلف را سنبل دراز
وقت آں آمد کہ آمد ساز عشرت راشکست
می نواز د چنگِ غم ہر مطربِ جادو نواز
یعنی مرد صالحے اسم شریفش فتح خان
عرف دے بودہ نمازی پیشِ اصحابِ نماز
محو در ذکر خدا از خویش بودا آں چناں
فی المثل در آبِ کوزہ چوں شکر یابد گداز
بود پیشِ خاکساری و علوِ ہمتش
ہر فرازش پستی ہر پستیش مثلِ فراز
چوں بحکمِ کبریا بعدِ تہجد وقتِ صبح
بہر آں مرد مصلے بابِ رحمت گشت باز
عندلیبِ روح دے چوں بوئے گل پرواز کرد
سوئے گلزارِ حقیقت زیں گلستانِ مجاز
گفت عادل مصرعِ تاریخ سالِ رحلتش
رفتہ سوئے مسجدِ اقصےٰ پئے طوف و نماز

۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء

سیّد عبدالرحیم تحصیلدار :

عہد بھوسلہ کے ایک قدیم خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ عبادت گزار، متقی اور پرہیزگار تھے۔ ہمیشہ اذکار و وظائف میں معروف رہتے۔ دنیاوی لحاظ سے بھی وہ تحصیلدار کے بلند منصب پر فائز تھے۔ انھوں نے ۲۲ رمضان ۱۳۰۹ھ (۱۸۹۲ء) کو رحلت فرمائی۔ عادل نے یہ قطعہ تاریخ وفات کہا تھا[۱۴۷]

آہ چوں عبدالرحیم سید عالی نسب — زیں خراب آباد دنیا جانب جنت شتافت

بود لبست و دوم ماہ صیام اے آہ آہ — ہائے بکشیدہ چنیں نیکو سیر جام ممات

مثل او بیدار مغز اندر جہاں کم خلق دید — زاہد و عابد خلیق و یار ساچوں او نیافت

کار تحصیلی بہ نیکو طرز بنمودی چناں — خلق راضی، شاد حاکم، خوش خدا پاک ذات

چوں زکار مینوی فارغ شدی شغلش بود — ذکر و اوراد و وظائف توبہ و صوم و صلوٰت

رفتن از دنیا چنیں مرد شریف صالحے — موجب صد غم بباشد بہر احباب و عدات

گر کسے پرسد ز تو عادل سنین فوت او

دے بیوجہ مغز بیداری بگو سال وفات ۱۳۰۹ھ

ان کی پختہ مزار ان کی تعمیر کردہ مسجد کے صحن میں ہے۔ یہ مسجد بھوتیہ دروازہ میں واقع ہے اور آج بھی تحصیلدار کی مسجد کہلاتی ہے۔ اسی مسجد کے قریب ان کا رہائشی مکان بھی تھا۔ عادل کے ایک قطعہ تاریخ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ان کی اہلیہ کا ۱۳۰۶ھ (۱۸۸۸ء) میں انتقال ہوا تھا۔ دیکھیے قطعہ تاریخ۔[۱۴۸]

زوجۂ عبدالرحیم نیک خو — یافتہ ناگاہ چو پیغام خلد

سال نقلش عادل محزون بگو — شد روانہ جانب بہ بام خلد

________________________ ۱۳۰۶ھ

سید عبدالرحیم کے ایک نامور بیٹے سید عبدالغنی تھے۔ جو ۱۳۰۶ھ (۱۸۸۸ء) میں نائب تحصیلدار کے منصب پر فائز ہوئے۔ عادل نے اس موقع پر بھی قطعہ تاریخ کہا تھا۔[۱۴۹]

چو لطیف الطبع الطاف جہاں عبد الغنی
شد ملازم از نوال حضرت پروردگار
بہر سال انسلاکش عادل خواہان خیر
شد لطیف ہند گوئے نائب تحصیلدار ۱۳۰۶ھ

اور ان کی شادی کے موقع پر بھی یہ بے مثال قطعہ تاریخ تحریر کیا تھا۔ ۱۵۰ء

محرم مبدء و معاد تمام — واقف ہر دو صنف کل اسما
یسر ہمت سے اس کے عسر جہاں — رہتا تابندہ شکل یسر سدا
آشنائے محیط جود و نوال — آشنا پرور جہاں یکتا
ناصر خلق ، ناصر دوراں — نصر نصرت ، نصیر دین خدا
سعد طالع ، مثال سعدی و سعد — غیرت سعد، خلق ہے اس کا
یم جود و یم ریاض کرم — ہم بر خلق جس کا فیض سدا
دست فیض اس کا دست دست جہاں — سر بسر دست اس کے زیر پا
عین دربار عین جوہر خیز — عین حق میں ہیں عین خاص سدا
بینوا اس کی ذات عالی سے — بنوائے نوا صباح و مسا
دژ سر بستہ علو و وقار — دشمن دژ کو اس کی پستی جا
اسم پاک اس کا صاف اب کہہ دل — سید عبد الرحیم کان سخا
لب دانش لب لب عالم — لب تحسیں ہے اس کی مدح میں وا
روح اس کی جبیر معنی روح — روح اخلاق خوش دماغ آسا
حسن الخلق مثل خوئے حسن — حسن ہیں یوسف آسا سرتا پا
یاد ریار و یار یاری بخش — اس میں اغیار کو نہیں یارا
منکر منکر فیوض اس کا — ضرب منکر سے ہے کہاں بچتا
تاب خورشید عقل گرد و تاب — تاب بردار خلق و تاب وفا

حبذا حبِ جود جس کا حُب | حُبِ دانش ہے وہ محبِ خدا
صرف ہوتا بصرفِ صیغۂ صرف | صَرف ہر وقت اس کا صرفی سا
یکدل اربابِ دل سے رہتا ہے | وہ دلہ کا ہے باعثِ اقنا
لدرہے اس کا ہر حسود الد | بارِ اندوہ و غم سے خَر آسا
دوست اس کا کبھی نہ دردا ہو | چہ غم میں پڑے عدو دردا
اسدِ بیشۂ جواں مردی | اسدِ چرخِ فخر و عز و علا
راحِ پُر سکر جام راحتِ روح | ندرگِ روح دَر دح در دح سدا
حرص صور، خشیم صورتِ صور | مستعد بہر صور کل اعدا
اس کے فرزندِ نیک خو کا عرض | منعقد جب کہ جشنِ عقد ہوا
حسن الفت سے بہر فصلی سال | فکرِ عادل نے اپنے دل میں کہا
بخوشی کہہ دیا یہ ہاتف نے | سید عبد الغنی ہوا دولا

ـــــ ۱۲۹۴ ف ـــ

عادل کا یہ فنکارانہ قطعۂ تاریخ ہے۔ اس میں صنعتِ تجنیس وتصحیف ہے۔ اس کے مصرعِ اولیٰ کے پہلے حروف کو جوڑنے سے نام میاں سید عبدالرحیم تحصیلدار صاحب برآمد ہوتا ہے۔ اس میں عادل نے تحصیلدار صاحب کی شخصیت اوران کے کردار پر اچھی روشنی ڈالی ہے۔ موصوف کا خاندان آج بھی صدر میں آباد ہے۔ ان کی تعمیر کردہ مسجد بھی موجود ہے۔ حال ہی میں اس کی تعمیرِ ثانی ہوئی ہے۔

درگاہیں اور مزاریں :

شہر کی قدیم مسلم آبادی میں اہم اور نمایاں مقامات پر متعدد ایسی درگاہیں اور مزاریں ہیں، جو عہدِ بھوسلہ کے بزرگوں کی ہیں اور جن کے بعض خاندان عرصۂ دراز سے بیحد عقیدت مند ہیں۔ ان میں سے کچھ اصل نام سے اور کچھ فرضی نام سے یاد کی

جاتی ہیں ۔ لیکن ان میں تمیز کرنا سخت مشکل ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا کوئی دستاویزی ثبوت نہیں ملتا ۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کس حیثیت اور مرتبے کے مالک تھے ۔ بہرحال ہم یہاں اس فہرست کو نقل کر دینا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ کم از کم ان کے نام ہی محفوظ ہو جائیں اور جن کے متعلق تحریری اور زبانی جو تفصیلات ملی ہیں ان کو بھی قلمبند کر دیتے ہیں ۔

۱ ۔ درگاہ علی شاہ (آتا) (کوتوالی چوک محل) یہ بہت قدیم درگاہ ہے ۔ اس درگاہ کے گونڈ اور بھوسلہ راجہ دونوں بے حد معتقد تھے ۔ وہ اس کی زیارت پابندی سے کرتے تھے ۔

۲ ۔ درگاہ سید شاہ کوٹھی والے (گونڈ راجہ کے قلعہ میں راجہ کی کوٹھی کے صحن میں) یہ گونڈ راجہ کی مخصوص جگہ ہے اس لئے گمان یہی ہے کہ موصوف اپنے دور کے خدا رسیدہ بزرگ رہے ہوں گے اور گونڈ راجہ کو ان سے عقیدت ہوگی ۔

۳ ۔ درگاہ راجہ باغ سوار (میڈیکل کالج کی احاطہ بندی کی مغربی سمت میں دیوار سے ملحق) یہ بھی بہت قدیم درگاہ ہے اور عرصۂ دراز سے لوگ اس کے معتقد ہیں ۔ حکمراں ، امرا اور شرفا بھی اس کے عقیدت مند تھے ۔

۴ ۔ درگاہ سید جعفر علی اور سید مظفر علی (قلعہ کے سامنے محل کے علاقہ میں)

۵ ۔ درگاہ سید قدرت علی شاہ (گنگا بائی گھاٹ روڈ ، نواب پورہ)

۶ ۔ درگاہ سید شاہ (نواب پورہ)

۷ ۔ درگاہ ماموں بھانجہ (علی میاں کا کھم ، تلسی باغ)

۸ ۔ درگاہ سید شاہ (تلسی باغ میں) یہ بھوسلہ راجہ کا ذاتی باغ تھا ۔ موصوف کا اس مقام پر دفن ہونا ان کے مرتبہ کو ظاہر کرتا ہے ۔

۹ ۔ درگاہ فاضل خان (بھوتیہ دروازہ)

۱۰ ۔ درگاہ معصوم شاہ (چٹنویس پارک چوک)

۱۱۔ مزار سید شہاب الدینؒ (تیلنکھیڑی باغ میں) یہ بھی بھوسلہ راجہ کا ذاتی باغ تھا اس لئے موصوف کوئی زبردست بزرگ ہی ہو سکتے ہیں۔

۱۲۔ درگاہ مچھلی شاہؒ (بھالدارپورہ)

۱۳۔ مزار پتنگ شاہؒ (بھالدارپورہ)

۱۴۔ مزار حریف خانؒ اور ظریف خانؒ (بھالدارپورہ) یہ دونوں بھوسلہ فوج میں تھے۔

۱۵۔ مزار قاضی برہان الدینؒ (بھالدارپورہ) قاضیِ شہر کے مورثِ اعلیٰ تھے۔

۱۶۔ درگاہ سید شاہؒ (بھالدارپورہ)

۱۷۔ درگاہ سید قاسم شاہؒ (قاضی پورہ)

۱۸۔ درگاہ سید مراد علیؒ (فوارہ چوک، گاندھی باغ)

۱۹۔ درگاہ سید عرب شاہؒ (گاندھی باغ کلاتھ مارکیٹ)

۲۰۔ درگاہ سید بنا بنےؒ (گانجہ کھیت)

۲۱۔ درگاہ سید بھولا شاہؒ (بنگالی پنجہ)

۲۲۔ درگاہ سید شاہؒ (مرچی بازار چوک)

۲۳۔ درگاہ سید شاہ قلندرؒ (پارڈی)

۲۴۔ درگاہ بڑے پیرؒ (کاٹن مارکیٹ)

۲۵۔ درگاہ گودڑ شاہؒ (سنترہ مارکیٹ)

۲۶۔ درگاہ سید چاند شاہؒ (سنترہ مارکیٹ)

۲۷۔ درگاہ پہلوان شاہؒ (گارڈلائن)

۲۸۔ درگاہ سید شہاب الدینؒ (بکرا منڈی مومن پورہ)

۲۹۔ مزار سید شاہؒ (مسلم قبرستان مومن پورہ)

۳۰۔ مزار کمل پوشؒ (مسلم قبرستان مومن پورہ)

۳۱۔ درگاہ سید شاہ لوز الدینؒ (محمد علی روڈ مومن پورہ)

۳۲۔ درگاہ سید شاہ کمال الدینؒ (محمد علی روڈ مومن پورہ)

۳۳۔ درگاہ دادا پیرؒ (تکیہ بفات بائی مومن پورہ)

۳۴۔ درگاہ سید شاہ محی الدینؒ (تکیہ بفات بائی مومن پورہ)

۳۵۔ مزار جھجھر والےؒ (تکیہ بفات بائی، مومن پورہ) یہ لفظ کثرت استعمال سے جھن جھر کی والے ہوگیا۔

۳۶۔ مزار سید شاہ کشمیر والےؒ (تکیہ بفات بائی مومن پورہ)

۳۷۔ درگاہ سید جلال شاہؒ (تکیہ معصوم شاہ مومن پورہ)

۳۸۔ درگاہ سید شمس الدین گولی والےؒ (تکیہ دیوان شاہ مومن پورہ)

۳۹۔ درگاہ ابو قاسم نانا حضور بیری والےؒ (سیمی نری ہل)

۴۰۔ درگاہ چاند شاہ ولیؒ (دیش پانڈے ہال کے میدان میں)

حواشی:

۱۲۹ھ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۳۸۱

۱۳۰ھ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۳۸۲

۱۳۱ھ دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۳۰

جیش المضامین از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۳۲

۱۳۲ھ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۲۵۴، ۲۵۵

۱۳۳ھ مجموعۂ شمسی از قاضی محمد شمس الدین (قلمی) ص: ۱۲۹

ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر از ڈاکٹر شرف الدین ساحل: ۱۰۲

۱۳۴ھ ملہماتِ فیض آیات از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۶۴

۱۳۵ھ ملہماتِ فیض آیات از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۵۶ تا ۱۶۱

۱۳۶ھ ملہماتِ فیض آیاتِ از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۴۳، ۱۴۴

۱۳۷ھ ملہماتِ فیض آیات از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۶۴

۱۳۸ے ملہماتِ فیض آیات از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۵۲، ۱۵۳

۱۳۹ے ملہماتِ فیض آیاتِ از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۶۶

۱۴۰ے ملہماتِ فیض آیات از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۶۷

۱۴۱ے ملہماتِ فیض آیات از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۶۸، ۱۶۹

۱۴۲ے ملہماتِ فیض آیات از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۷۰، ۱۷۱

۱۴۳ے ملہماتِ فیض آیات از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۶۴، ۱۶۵

۱۴۴ے ملہماتِ فیض آیات از غمگین ناگپوری (قلمی) ص: ۱۶۶

۱۴۵ے دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۴۰

۱۴۶ے دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۱۷

۱۴۷ے دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۴۳

۱۴۸ے دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۴۲

۱۴۹ے دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۴۲

۱۵۰ے دیوانِ تاریخات از عادل ناگپوری (قلمی) ص: ۲۲، ۲۳

قاضیانِ شہر

ناگپور کے قدیم خاندانوں میں قاضی خاندان کا بھی شمار ہوتا ہے۔ یہ خاندان راجہ راجہ رگھوجی اول کے عہد میں برار سے ناگپور آیا اور یہاں مستقل آباد ہوا۔ ناگپور میں اس کی تاریخ قاضی عبدالرزاق سے شروع ہوتی ہے۔

قاضی عبدالرزاق :

قاضی محمد شمس الدین نے مجموعۂ شمسی (ص : ۲۳ سے ص : ۳۳ تک) میں اس خاندان پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس کتاب سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قاضی عبدالرزاق کے والد کا نام قاضی محمد علی اور ان کے دادا کا نام محمد شریف تھا۔ محمد شریف کے بڑے بھائی قاضی عبدالقادر سترہویں صدی عیسوی کے دوسرے نصف میں برار کے ایک قاضی گزرے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے قاضی عبدالکریم مسند پر فائز ہوتے۔ ان کا انتقال اٹھارویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی میں ہوا۔ چوں کہ وہ لاولد فوت ہوئے تھے اس لئے ان کی اہلیہ بی بی صاحبہ نے قاضی عبدالکریم کے چچازاد بھائی محمد علی کے بیٹے عبد

الرزاق کو اپنی قضات کا وارث بنایا ۔ یہ بات ۱۹ رمضان ۱۱۴۰ھ (۲۸؍۱۷۲۸ء) کی ہے۔ یہی قاضی عبدالرزاق، راجہ رگھوجی اول کے دور میں محکمۂ سلحداری میں ملازم ہوئے اس کے علاوہ انھیں راجہ نے قضات کی ذمے داری بھی سونپی اور اس کام کے لئے انھیں مہر عطا کی ۔ ان کی شادی چاندہ کے قاضی میر ضیاء الدین کی بہن کے ساتھ ہوئی تھی ۔

قاضی محمد علی :

قاضی محمد علی کے پانچ بیٹے تھے : برہان الدین ، وجیہہ الدین ، عبدالرزاق ، معزالدین ، عزیزالدین عرف عزیزاللہ ۔ ان کے علاوہ ایک بیٹی تھی ۔ اس کا نام نبتی بی تھا ۔ ان میں برہان الدین اور وجیہہ الدین کے علاوہ سب کے سب لاولد تھے ۔ برہان الدین کے دو بیٹے تھے : عبدالقادر اور سیف الدین جبکہ وجیہہ الدین کا ایک بیٹا بدرالدین اور دو بیٹیاں اشرف بی اور بھندا بی تھیں ۔ اشرف بی قصبہ ریدپور (برار) کے قاضی عظمت اللہ سے بیاہی تھی ۔ انھیں کے بطن سے قاضی محمد شمس الدین مؤلف مجموعۂ شمسی کے والد قاضی نصیح الدین عرف میرن میاں پیدا ہوئے تھے ۔

قاضی بدرالدّین :

چوں کے قاضی عبدالرزاق لاولد فوت ہوئے تھے اس لئے ان کے بڑے بھائی وجیہہ الدین کے اکلوتے بیٹے بدرالدین عرف گھانسے میاں مسندِ قضات پر فائز ہوئے انھوں نے راجہ جانوجی کا زمانہ پایا تھا ۔ وہ راجہ کے ساتھ کسی معاملہ کی تفتیش کے سلسلے میں امنیر (برار) گئے ۔ وہیں ان کی حالت بگڑی اور واپسی پر سفر کے دوران رحلت فرمائی ۔

قاضی سیف الدین :

قاضی بدرالدین بھی لاولد تھے۔ چنانچہ ان کے انتقال کے بعد راجہ نے مہر قضات قاضی بدرالدین کے تایا زاد بھائی عبدالقادر ابن برہان الدین کو پیش کرنا چاہی لیکن عبدالقادر نے جو نور محمد خان فوجدار کے داماد تھے، اس ذمے داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس انکار کے بعد ان کے چھوٹے بھائی سیف الدین ابن برہان الدین نے یہ ذمے داری قبول کی۔

قاضی سیف الدین کی قضات کا زمانہ طویل ہے۔ انھوں نے ۱۸۲۲ء میں رحلت فرمائی۔ یوں وہ تقریباً ۵۵ سال اس عہدے پر فائز رہے۔ اس اثنا میں دو بار ان کی مہر ضبط کی گئی۔

پہلی بار راجہ مودھاجی نے ضبط کی۔ ہوا یہ کہ وہ ایک ایسے شخص کے مکان میں گئے جنہیں راجہ اپنا دشمن سمجھتا تھا۔ جب مخبروں نے راجہ کو اس کی اطلاع دی تو اس نے غصہ میں آکر مہر واپس بلوالی۔ بعد کو سیونی کے دیوان محمد امین خان، محمد زمان خان اور تاج محمد خان کی سفارش پر ان کا عہدہ بحال ہوا۔

دوسری بار راجہ رگھوجی ثانی نے مہر قضات ضبط کی تھی۔ اس کا واقعہ یوں پیش آیا کہ وہ کسی گوسائیں کے مقروض تھے۔ وہ اپنے قرض کا بار بار مطالبہ کر رہا تھا۔ اس سے مایوس ہو کر انھوں نے خود کو، اپنی بیوی کو اور اپنے بیٹے عبدالرزاق کو کٹار سے ہلاک کرنا چاہا۔ اس بدحواس کیفیت میں ان کی بیوی تو چل بسی اور وہ خود اور ان کا بیٹا بری طرح زخمی ہو گئے۔ یہ اطلاع موصول ہوتے ہی رگھوجی ثانی نے مہر کو ضبط کرنے کی کارروائی کی۔ اس مرتبہ ان کے بڑے بھائی عبدالقادر کے خسر نور محمد خان فوجدار کی سفارش پر معاملہ درہم برہم ہوا اور انھیں مہر واپس ملی۔

قاضی سیف الدین کی پہلی شادی ایمل خان نامی سوداگر کی بہن سے ہوئی تھی۔ اس خاتون سے ایک بیٹا عبدالرزاق اور ایک بیٹی حوران بی پیدا ہوئی۔ اس بیوی کے

انتقال کے بعد خان بی سے نکاح کیا۔ اس سے گھانسے میاں عرف گھسولال اور چنداں بی پیدا ہوئی۔ ان میں گھانسے میاں لاولد رہے۔ حوران بی کی شادی قاضی فصیح الدین ابن قاضی عظمت اللہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ انھی قاضی فصیح الدین کے بیٹے قاضی شمس الدین تھے جنھوں نے مجموعۂ شمسی مرتب کی ہے۔

قاضی عبدالرزاق :

قاضی سیف الدین کے انتقال کے بعد ان کے داماد قاضی فصیح الدین ابن قاضی عظمت اللہ نے کچھ سال تک کارِ قضات سنبھالا۔ جب قاضی سیف الدین کے بڑے بیٹے عبدالرزاق شعور مند ہو گئے تو انھوں نے مہر قضات ان کے حوالے کر دی۔ قاضی عبدالرزاق نے اس فرض کو بحسن و خوبی نبھایا۔ ان کی پہلی شادی ایمل خان سوداگر کی بیٹی سے ہوئی تھی اس کے انتقال کے بعد اس کی چھوٹی بہن سے نکاح کیا۔ اس کی وفات کے بعد فاضل محمد حولدار کی سالی سے شادی کی۔ ان کے کل چھ بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ ان کے بیٹوں کے نام سراج الدین، فیض الدین، امام الدین، ضیاء الدین عظیم الدین اور قیام الدین تھے۔ بیٹی کا نام حاضران بی تھا۔ انھوں نے ۱۸۴۵ء میں وفات پائی۔

قاضی سراج الدین :

قاضی عبدالرزاق کے انتقال کے بعد ان کے بڑے بیٹے قاضی سراج الدین نے مسندِ قضات سنبھالی۔ ان کا انتقال ۱۸۶۱ء میں ہوا۔ ان کی شادی قاضی فصیح الدین کی بیٹی انوربی کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان کے دو بیٹے تھے : قاضی جلال الدین اور قاضی قمرالدین۔ ان میں قاضی جلال الدین نے ۲۱ جولائی ۱۸۷۳ء کو رحلت فرمائی۔ وہ لاولد تھے اس لئے ان کے انتقال کے بعد قاضی قمرالدین نے اس

ذمے داری کو سنبھالا۔ ان کا ۱۹۱۶ء میں انتقال ہوا۔ ان کے دو بیٹے تھے: قاضی حکیم الدین اور قاضی سبحان الدین۔ ان میں قاضی حکیم الدین نے ۱۹۳۲ء میں رحلت فرمائی جبکہ قاضی سبحان الدین کا انتقال ان کے والد کی زندگی میں ہی ۱۹۱۵ء میں ہوا۔ ان دونوں کے اخلاف قاضی پورہ (بھالدارپورہ) میں آباد ہیں۔

اس خاندان کو بعوسلہ راجہ کی طرف سے مختلف اوقات میں کئی جاگیریں ملیں۔ قاضی پورہ کا علاقہ بھی انھیں راجہ نے عطا کیا تھا۔ اس کے علاوہ شہر کے اطراف بھی انھیں زمینیں ملی تھیں۔ ایڈوکیٹ قاضی اعجاز الدین سکریٹری مسلم قبرستان مومن پورہ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

ریدپور کا قاضی خاندان:

اسی عہد میں ریدپور (برار) کا ایک قاضی خاندان بھی ناگپور آیا اور یہاں اس نے خاصی مقبولیت حاصل کی۔ ہوا یہ کہ قاضی شہر عبدالرزاق ابن قاضی محمد علی کے بڑے بھائی قاضی وجیہ الدین کی بیٹی اشرف بی کا عقد ریدپور کے قاضی عظمت اللہ عرف اجمل قاضی کے ہمراہ ہوا۔ یوں اس خاندان کا ناگپور سے رابطہ قائم ہوا۔ بعد کو قاضی عظمت اللہ کے بیٹے قاضی فصیح الدین نے اس شہر میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

قاضی فصیح الدین:

مجموعۂ شمسی کے مرتب قاضی محمد شمس الدین کے والد بزرگوار تھے۔ قاضی محمد شمس الدین نے مجموعۂ شمسی (ص: ۱ سے ۱۲ تک) میں اپنے خاندانی حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق ان کے دادا قاضی عظمت اللہ عرف اجمل قاضی قصبہ ریدپور (برار) کے قاضی تھے۔ جب ان کی شادی ناگپور کے قاضی وجیہ الدین کی بیٹی اشرف بی کے ساتھ ہوئی تو اس شہر سے ان کے

خاندان کا رابطہ قائم ہوا۔ قاضی فصیح الدین اشرف بی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔
قاضی فصیح الدین کی عرفیت میرن میاں تھی۔ وہ صاحبِ علم اور صاحبِ فہم و فراست تھے۔ ان کی شادی بھی ناگپور کے شہر قاضی سیف الدین کی بیٹی حوران بی کے ساتھ ہوئی تھی۔ چنانچہ شادی کے بعد ان کا بیشتر قیام ناگپور میں رہا۔ انھوں نے یہاں اپنی ذکاوت، ذہانت اور علمیت سے اپنی پوزیشن کو انتہائی مضبوط و مستحکم بنایا۔ ان کے منشی محمد صلاح الدین اور منشی محمد سعد الدین سے گہرے تعلقات تھے۔ انھوں نے اپنے خسر کے انتقال کے بعد کچھ عرصے تک قضات کے فرائض بھی انجام دیئے۔ اس لئے کہ قاضی سیف الدین کے انتقال کے وقت قاضی عبدالرزاق سنِ شعور کو نہیں پہنچے تھے۔ جب وہ علمی و ذہنی اعتبار سے پختہ ہو گئے تو قاضی فصیح الدین نے مہر قضات ان کے سپرد کر دی۔
قاضی فصیح الدین نے اپنی زندگی میں تین شادیاں کیں۔ ان کی پہلی شادی قاضی سیف الدین کی بیٹی حوران بی کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس خاتون سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس کے انتقال کے بعد کاٹول (ضلع ناگپور) میں شمشیر خان کی بیٹی لالن بی سے عقد کیا۔ اس خاتون سے دو بیٹے نور الدین اور محمد شمس الدین مؤلفہ مجموعہ شمسی اور ایک بیٹی النور بی پیدا ہوئی۔ لالن کے انتقال کے بعد تیسرا نکاح اس کی حقیقی بہن عالم خانی سے کیا۔ اس سے ایک لڑکا فخر الدین پیدا ہوا۔ لیکن اس کا کمسنی میں ہی انتقال ہو گیا۔
قاضی فصیح الدین کے بڑے بیٹے نور الدین نے ۱۸۵۷ء میں رحلت فرمائی جبکہ قاضی فصیح الدین کا انتقال دسمبر ۱۸۳۷ء میں ہوا۔

قاضی محمد شمس الدین :

قاضی محمد شمس الدین انیسویں صدی کی پہلی دہائی میں ناگپور میں پیدا ہوئے۔

ان کی تعلیم و تربیت ان کے والد کے زیرِ سایہ ہوئی۔ والد کے انتقال کے بعد انھوں نے اپنے جسم و جان کو یکجا رکھنے کے لئے نرکھیڑ (کاٹول) اور امنیر میں ملازمت کی۔ اس کے بعد ۳ مئی ۱۸۶۵ء کو وہ حسن خان کے توسط اور ان کی نظرِ کرم سے راجہ سلیمان شاہ کے محل میں ملازم ہوئے اور اپنی خداداد صلاحیت کی بنیاد پر بہت جلد راجہ کا تقرب حاصل کر لیا۔

ان کا شمار راجہ سلیمان شاہ کے مقربینِ خاص میں تھا۔ راجہ جب کبھی ناگپور کے باہر جاتا تو ان کو بھی ہمیشہ اپنے ہمراہ لے جاتا۔ یہیں سے اس خاندان کا گونڈ راجگا سے براہِ راست گہرا تعلق قائم ہوا۔ وہ ان کی بے انتہا عزت کرتے تھے۔

قاضی محمد شمس الدین جب فکرِ معاش سے پوری طرح آزاد ہو گئے تو انھوں نے ۱۸۶۹ء میں بدو خان منارہ مسجد کے قریب اپنا رہائشی مکان تعمیر کروایا اور اس میں سکونت اختیار کی۔ انھوں نے ۱۸۸۰ء کے آس پاس رحلت فرمائی۔ ان کے تین بیٹے نصیر الدین، عبدالحق اور عبدالحفیظ اور دو بیٹیاں، فاطمہ بی اور کلثوم بھی تھیں۔ ان میں عبدالحق سے خاندانی سلسلہ چلا۔ عبدالحق کے بیٹے قاضی عبدالستار اور قاضی عبدالقیوم تھے۔ ان کے اخلاف آج بھی ناگپور میں اپنے آبائی مکان میں رہتے ہیں۔

مجموعۂ شمسی :

مجموعۂ شمسی، قاضی محمد شمس الدین کا ایک غیر معمولی کارنامہ ہے۔ اس کتاب سے تاریخ ناگپور کے کئی چھپے ہوئے گوشے سامنے آتے ہیں۔ قاضی محمد شمس الدین نے اس کتاب کو ۱۸۷۰ء میں مرتب کرنا شروع کیا اور وہ اس میں اپنی زندگی کے اخیر ایام تک تاریخی معلومات کا اضافہ کرتے رہے۔

یہ کتاب ۵۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا سائز ۹ × ۶ ہے۔ یہ آسان اردو

زبان میں کالی روشنائی سے لکھی ہوئی ہے۔ اس میں ابتدا میں قاضی محمد شمس الدین نے اپنے خاندانی حالات بیان کئے ہیں۔ اس کے بعد قاضیِ شہر کے خاندان پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ یہاں سے حالات بڑے ہی بے ترتیبی سے ملتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے جیسے ان کو معلومات ہوتی گئی ہے وہ لکھتے چلے گئے ہیں۔ اس میں جن خاندان کے حالات موجود ہیں ان میں گونڈ بھوسلہ، نور محمد خان فوجدار، حاجی عبدالشکور، منشی محمد سعد الدین، منشی محمد صلاح الدین، غلام علی، مولوی فرحت اللہ، مرحمت خان جمعدار کے خاندانی حالات اور ان کے کارنامے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

ان حالات کے علاوہ بڑا نعل صاحب، تکیہ دیوان شاہ، جمعہ مسجد، بدو خان کا منارہ، سیتابلڈی کی لڑائی اور ۱۸۵۷ء کے ہنگامی واقعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اگر اس کتاب کو قرینے سے ایڈٹ کر کے شائع کر دیا جائے تو تاریخِ ناگپور کے کئی اہم پوشیدہ گوشے اجاگر ہو سکتے ہیں۔

ریذیڈنسی کے منشیان

ناگپور میں پہلا انگریز سفیر فارسٹر ۱۵ جنوری ۱۷۸۸ء کو آیا۔ اسے راجہ مودھاجی کے آخری ایام میں لارڈ کارنوالس نے اپنے وکیل کی حیثیت سے بھیجا تھا۔ وہ ۵ جنوری ۱۷۹۱ء تک ناگپور میں مقیم رہا۔ اس نے اپنے قیام کے زمانے میں بھوسلہ حکومت کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا اور اس کے تفصیلی حالات فراہم کر کے گورنر جنرل کو روانہ کئے۔ اس کے بعد ۱۲ مارچ ۱۷۹۹ء کو ایک دوسرا انگریز وکیل کول بروک ناگپور آیا جو ۱۸ مئی ۱۸۰۱ء تک ناگپور میں مقیم رہا۔ اس نے اس اثنا میں رگھوجی ثانی کو کئی بار سب سیڈی ایری سسٹم کی شرائط کو قبول کر لینے کی دعوت دی مگر ہر بار اسے ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔ اس وقت غلام حسین نے کول بروک کے منشی کے فرائض انجام دیئے تھے۔

ان واقعات کے بعد ۱۸۰۳ء میں انگریزوں اور مرہٹوں کے درمیان دوسری لڑائی ہوئی جس میں ایک محاذ پر ۲۹ نومبر ۱۸۰۳ء کو اڑگاؤں کے میدان میں رگھوجی ثانی کو انگریزوں کے مقابلہ میں بری طرح شکست ہوئی۔ اس کے نتیجے میں ۱۷ دسمبر ۱۸۰۳ء کو ایلیچپور کے قریب دیوگاؤں کے مقام پر ایک معاہدہ ہوا جس

کی ایک شرط کے تحت ناگپور میں پہلی بار جنوری ۱۸۰۴ء میں ریذیڈنسی قائم ہوئی اور الفنسٹن یہاں کا پہلا ریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ اس کے بعد الحاقِ ناگپور (۱۳ مارچ ۱۸۵۴ء) تک یہاں دس ریذیڈنٹ مختلف اوقات میں آئے۔

ریذیڈنٹ، ریذیڈنسی کی عمارت میں اپنے عملہ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے عملہ کا ایک ممتاز منصب منشی تھا جس کی نگرانی میں فارسی خط و کتابت کا شعبہ تھا۔ چوں کہ یہ بہت ہی اہم شعبہ تھا۔ اس لئے فارسی زبان و ادب پر عبور رکھنے والے شخص کا اس کے لئے تقرر کیا جاتا تھا۔ اس دور میں جو اشخاص اس منصب جلیلہ پر فائز ہوئے ان میں بیشتر مسلمان تھے لہٰذا قاضی محمد شمس الدین کی کتاب مجموعۂ شمسی کی مدد سے یہاں ان کی فہرست بالترتیب درج کی جاتی ہے۔

ریذیڈنٹ کا نام	منشی کا نام
الفنسٹن	منشی عبدالحمید
(۱ جنوری ۱۸۰۴ء سے ۲۴ جنوری ۱۸۰۷ء تک)	منشی محمد
جنکنس	منشی محمد
(۲۴ جنوری ۱۸۰۷ء سے ۲۹ دسمبر ۱۸۲۶ء تک)	منشی جمال الدین
ولڈر	منشی جمال الدین
(۱۲ اپریل ۱۸۲۷ء سے ۱۹ فروری ۱۸۳۰ء تک)	منشی بہاری لال
گرویم	منشی مکارم
(۱۸۳۰ء سے ۱۸۳۴ء تک)	
جے برگ (لفٹننٹ کرنل)	منشی مکارم
(۱۳ مئی ۱۸۳۴ء سے ۱۸۳۵ء تک)	
سی کیونڈس	منشی شیو پرشاد

(۱۸۳۵ء سے ۱۳ نومبر ۱۸۳۹ء تک)	
میجر تھامس ولکنس	منشی چراغ علی
(۱۳ نومبر ۱۸۳۹ء سے ۱۲ ستمبر ۱۸۴۴ تک)	
کرنل اے اسپائرس	منشی چراغ علی
(یکم دسمبر ۱۸۴۴ء سے ۱۸۴۷ء تک)	
کیپٹن رمزے	منشی چراغ علی
جنوری ۱۸۴۷ء سے ۱۲ مارچ ۱۸۴۹ء تک)	منشی تراب علی
ڈیوڈسن	منشی تراب علی
(۱۲ مارچ ۱۸۴۹ء سے اگست ۱۸۵۰ء تک)	
منسل	منشی تراب علی
(۱۸۵۰ء سے ۱۳ مارچ ۱۸۵۴ء تک)	

شاہی خاندان

راجہ برہان شاہ ابن راجہ چاند سلطان شاہ (وفات: ۱۷۳۵ء) ابن راجہ نخت بلند شاہ (وفات: ۱۷۰۹ء) کے عہد میں پرامن اور برادرانہ ماحول میں راجہ رگھوجی بھوسلہ اول کے ہاتھوں حکومت کا اقتدار منتقل ہوا۔ انتقالِ اقتدار کے بعد بھی راجہ برہان شاہ نے ناگپور کے قلعہ میں شاہانہ کروفر کے ساتھ زندگی گزاری۔ اسے اس کے اخراجات کے لئے بھوسلہ راجہ تین لاکھ روپے سالانہ وظیفہ انتہائی ادب و احترام سے دیا کرتے تھے اور اس کی دل سے قدر و منزلت کرتے تھے۔ اس نے ۱۷۹۶ء میں رحلت فرمائی۔ اس کے چھ بیٹے تھے: بہرام شاہ، سلیمان شاہ، فیروز شاہ، سکندر شاہ، اعظم شاہ اور انور شاہ۔ ان میں سلیمان شاہ کے علاوہ باقی سب بھائی لاولد فوت ہوئے۔

راجہ بہرام شاہ:

راجہ برہان شاہ کے انتقال کے بعد اس کے بڑے بیٹے بہرام شاہ کو راجہ کا مرتبہ ملا اس نے راجہ رگھوجی ثانی کا زمانہ پایا تھا۔ اس کی رگھوجی نے بے انتہا قدر و منزلت کی اور اسے ہمیشہ عزت سے نوازا۔ وہ لاولد تھا اس لئے اس نے اپنی زندگی میں ہی

اپنے چھوٹے بھائی سلیمان شاہ کے پوتے رحمٰن شاہ ابن سبحان شاہ کو گود لے لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۸۲۱ء میں اس کا انتقال ہوا تو رحمٰن شاہ مسند پر بیٹھا۔

راجہ رحمٰن شاہ :

راجہ رحمٰن شاہ دور اندیش، خلیق، سخی اور ملنسار تھا۔ اس نے بڑی شان و شوکت سے اپنی زندگی گزاری۔ وہ علماء، فقرا اور صلحا کا بیحد قدرداں تھا۔ اس نے اپنے محل کے معاملات کا نگراں حسن خان[1] کو مقرر کیا تھا۔ ناگپور کی تاریخی عیدگاہ اسی کی بنوائی ہوئی ہے۔ یہ بھی لاولد تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے چھوٹے بھائی اعظم شاہ کے بیٹے سلیمان شاہ کو گود لے کر اسے اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ اس نے ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء) کو رحلت فرمائی۔ اس کے انتقال کی شہرت ناگپوری نے یہ تاریخ کہی :

ناگاہ از مشیتِ حق جلّ شانہٗ
رحمٰن شاہ چوں کہ بملکِ بقا بشد
شہرت بگفت سالِ وفاتش ز روئے حیف
رحمان شاہ آہ ز دارِ فنا بشد

۱۲۶۸ھ ——— ۱۲۶۲ف

---

[1] حسن خان : راجہ رحمٰن شاہ اور اس کے جانشین راجہ سلیمان شاہ کے معتمد خاص اور صلاح کار تھے۔ انھیں محل کے معاملات کے کلی اختیارات تھے۔ انھوں نے بروز سنیچر ۱۵ اکتوبر ۱۸۷۸ء (۷ شوال ۱۲۹۵ھ) کو اچانک رحلت فرمائی۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ وزیر خان اور عظیم اللہ خان (مجموعہ شمسی از قاضی محمد شمس الدین، ص : ۵۲۳)

اس کو راجہ رگھوجی ثالث کا زمانہ ملا۔ اس راجہ نے بھی اسی کی حد درجہ قدر و منزلت کی اور اس سے ہمیشہ خوش گوار اور برادرانہ تعلقات رکھے۔

راجہ سلیمان شاہ :

راجہ رحمن شاہ کے بعد راجہ سلیمان شاہ مسند پر بیٹھا۔ الحاق ناگپور (۱۳ مارچ ۱۸۵۴ء) کے بعد انگریزوں نے اس کے شاہی مرتبے، اس کے وظیفے اور اس کی جاگیروں کو نہ صرف بحال رکھا بلکہ اس کے لئے مزید ایک لاکھ پچیس ہزار روپے سالانہ پنشن بھی مقرر کی۔ اس کے دور میں بھی حسن خان اس کے معاملات کا نگراں اور اس کا صلاح کار تھا۔

راجہ سلیمان شاہ بھی خلیق، ملنسار اور بردبار تھا۔ اس نے بڑی شان و شوکت سے زندگی گزاری۔ ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۴ء) میں تاریخی عیدگاہ کو از سر نو تعمیر کروایا اور قلعہ کے محل کے سامنے ۱۸۷۴ء میں ایک عظیم الشان نقار خانہ بنوایا۔ اس کی یہ دونوں یادگاریں آج بھی شاہی خاندان کی عظمت رفتہ کی گواہی دیتی ہیں۔ اس نے ۱۸۸۰ء میں رحلت فرمائی۔ اس کے بعد محمد اعظم شاہ کو راجہ کا مرتبہ حاصل ہوا۔

راجہ محمد اعظم شاہ :

راجہ محمد اعظم شاہ بروز سنیچر ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۰۱ھ (اگست ۱۸۸۴ء) کو پیدا ہوا۔ یہ راجہ سلیمان شاہ کا نواسہ تھا۔ اس کی ماں مان موتی بائی کے لقب سے مشہور تھی۔ اس کے والد کا نام میر بہادر شاہ تھا۔ اس کی ولادت کے پر مسرت موقع پر عادل نے قطعۂ تاریخ کہا ہے جو دیوانِ تاریخات کے ص: ۶۰۷ پر ملتا ہے۔ دیکھئے :

سلیماں مراتب، سکندر مدارج — فریدوں حشم، خسرو ملکِ دوراں
جہانگیر و شاہجہانِ زمانہ — علو رتبہ در خلق تیمور سلطاں
فلک رفعت و مہر چرخ ریاست — قمر طلعت و شاہ جمشید حشاں
شمیم گلِ بوستانِ بسالت — نسیم ریاضِ نوالِ فراواں
بزر بخشی خلق محسود حاتم — چو کسریٰ بالنصاف در رفعت نمایاں
ظہیرِ جہاں و معینِ خلائق — عطارد رقم، مہر دل، چرخ ایواں
جنابِ سلیماں شہہ آں کہ جاہش — مساوی بود با جلالِ سلیماں
بزر بخشِ عہدش ہمہ مفلساں را — بشکلِ صدف پر گہر جیب و داماں
بظلماتِ حاجات ہر تشنہ لب را — سرچشمہ جود آں آبِ حیواں
برائے سخایش، کفایت نسازد — بیک رفد صد حاصلِ قلزم و کاں
کند گوش خود گر نہیبِ عدالت — شود شیر زا ہوئے وادی گریزاں
بدورانِ او پنجۂ شیر غرّیں — شدہ پشت خارائے پشتِ غزالاں
بگل بیند از عین بد چشم بلبل — بچشمش زند نوک ہر خار پیکاں
پر و بالِ آں شعلہ خوف سوزد — چو پروانہ بیند سوئے شمع عریاں
دم رویتِ برقِ نور و جمالش — قمر را چو آئینہ شد چشم حیراں
دم ضربتِ گرز آں رستم وقت — بد اندیش را گشت سر در گریباں
بصمصام او جانِ اعدا چو بسمل — دم جنگ در خاک و خونست غلطاں
پئے مدح فکرِ رسائے طبیعت — شدہ خامہ ام دستِ فکر زنخداں
نمایم رقم تا کجا حسن و صفتش — باسپِ قلم تنگ میدانِ بیاں
شہا روزگارم مخالف بگشتہ — کمر بستہ با خونِ من چرخِ گرداں
بایں عالم مفلسی جسم زارم — بود روح را صورت کنج زنداں
نماید بخوانِ فلک وقت جوعم — بہر صبح از دورِ جو گردہ ناں

دم تشنگی لبکہ سقاے گردوں   نماید بشب چشمۂ ماہِ تاباں

ازاں حسرتناں بلب روح آمد   بامید ایں آب از تن شدہ جاں

چہ باشد دریں وقت تکلیف یا ہم   ودنانے زمطبخ من دل پریشاں

زسرچشمۂ رحمت قطرہ قطرہ   کشد جرعۂ تشنہ دست حساں

بود تاکہ گلگونہ چہرۂ خور   فروغ و ضیا بررہ نیک عنواں

بود تاکہ از دستِ خورشید روشن   قبائے سحرا عیاں چاک داماں

بہ روز از مطلعِ جاہ دولت   خور بختِ تو بادہ پیوستہ تاباں

شہا بشنو از من کہ بست دیکم را   ز ذیقعدہ شنبہ کہ بودہ نمایاں

بحمد اللہ باصبیات شاہ عالم   تولد شدہ پورِ راحت دہ جاں

الٰہی بحق شہہ ہر دو عالم   بنہہ خاطر شاہ زاں طفلِ شاداں

بظلِ ظلیل ملک داکمش تہہ   سکندر صفت بخت بیدار گرداں

بدہ عمر خضرے وفر فریدوں   گل بخت او را شگفتہ بگرداں

ہمہ ایں بشاشت بخدام شاہی   دگر باہمہ خیل خویش و عزیزاں

ہمایوں شود از عنایاتِ خالق   دعای نمایم ہمیں از دل و جاں

پے سالِ تولید ایں نیک اختر   خرد بردہ تکریم چو سر در گریباں

بگفتا خرد سالِ تاریخ فصلی   شد ایں نجم اوج ریاست نمایاں   ۱۲۹۱ف

دگر چوں ہمیں سال پرسیدم از عقل   بگفتا بمن بحر فیضِ سلیماں   ۱۲۹۱ف

گلِ نیک نخل تمنا ہجری   ۱۳۰۱ھ

بخواندہ بمن باز تاریخ خوش آں

اس کے جشن خطنہ کے موقع پر نادل نے ۵۷ اشعار پر مشتمل اردو میں ایک پرزور قصیدہ بھی لکھا تھا جو ان کے دیوانِ قصائد کے ص : ۹۸ تا ۱۰۱ پر ہے اس قصیدے کا مطلع حسب ذیل ہے :

کیا بیاں کیجئے گرمیِ فراوانِ ضمیر
رہتا ہے ماہ فلک مروحہ جنبانِ ضمیر

اس میں مدح کے اشعار ملاحظہ کیجئے :

سرِ شاہانِ جہاں سرورِ کل اعظم شہہ
ہے دُرز بخش جہاں جس کا کہ عمانِ ضمیر
فضلِ خالق سے ہوا نوشہہ جشنِ خطنہ
خاک در جس کی سدا کحلِ صفاہانِ ضمیر
فیضیاب اس سے ہیں سب حسب مراتب اپنے
فیض پاتا نہیں وہ جو کہ ہے حرمانِ ضمیر
اس کا جو خالِ علو قدر ولایت شہہ ہے
گوئے فطرت اسے بازی ہے بچوگانِ ضمیر
اہتمام اس کا ہے جشن اور ریاست میں مدام
عقل اس کی ہے فلاطون سے یونانِ ضمیر
غیرِ ریحانِ خرد، غیر گل ولالۂ عقل
نہیں رد شدہ کوئی شیٔ بخیابانِ ضمیر
چاہ میں اس کی جو ہو وہ ہے عزیز دلہا
یوسف عقل بغیر اس کے نہ کنعانِ ضمیر
نقشِ حکمت سے، نگارہمہ دانی سے مدام
رہتا زیبندہ سدا اس کا ہے ایوانِ ضمیر
علم آموز ہے عالم صفت طفلِ صغیر
سادہ لوحی سے ارسطو بہ دبستانِ ضمیر
آیا جو سایہ میں گرمیِ ستم سے ہلوا دور

دامنِ عافیتِ خلق ہے دامانِ ضمیر

ویسے جو اس کا خواہ ہے وہ صادق ہے
معتبر ہوتا ہے جس طور سے ایمانِ ضمیر

ویسے جو فائدہ بخشی کا ہو اس کے منکر
کب زباں اس کا ہو، منکر کا ہو نقصانِ ضمیر

مندمل مرہمِ رحمت سے اسے دم میں کیا
دیکھا جس کا کہ نہاں زخمِ نمایانِ ضمیر

جھڑتے ہیں پھول زباں سے دمِ تکلمِ سخن
صورتِ باغِ جناں ہے وہ گل افشانِ ضمیر

راجہ محمد اعظم شاہ کو کئی زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔ اس نے بھی اپنے اسلاف کی طرح شاہانہ زندگی گزاری۔ اس کا انتقال ۷ جنوری ۱۹۵۵ء کو ہوا۔ یہ شاہی خاندان کا آخری نامور راجہ تھا۔ اس کے دو بیٹے: بخت بلند شاہ (وفات: ۱۲ ستمبر ۱۹۹۲ء) اور میر بہادر شاہ اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ ان کے اخلاف قلعہ ادرتڑ کے مہاو دیالیہ (کاٹول روڈ، صدر) کے سامنے رہتے ہیں۔

تاریخی یادگاریں

گونڈ اور بھوسلہ عہد کی جو یادگاریں اپنی اصل یا جدید صورت میں ہیں۔ یہاں ان میں سے چند تاریخی اور نمایاں یادگاروں پر روشنی ڈالی جاتی ہے :

شاہی مسجد (قلعہ مسجد) :

یہ مسجد راجہ جاٹبا کے تعمیر کردہ قلعہ میں مغربی سمت میں راجہ کے محل سے ملحق ہے۔ اس کو ناگپور شہر کے بانی راجہ بخت بلند شاہ (وفات : ۱۷۰۹ء) نے اٹھارویں صدی عیسوی کے آغاز میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ ناگپور میں اسلامی تہذیب و تمدن کا پہلا نقش ہے۔ بخت بلند شاہ کے وارثین اسی میں عبادتِ الٰہی کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔ اب اس کا انتظام و انصرام قلعہ میں رہنے والے عام مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔

مسجد کی انتظامیہ نے ۱۹۹۳ء میں قدیم عمارت کو منہدم کر کے اس کی جگہ جدید طرز کی نئی عمارت بنوائی ہے جو دیکھنے میں خوبصورت ہے۔ اس مسجد کی عمارت اور اس کا صحن تقریباً تین ہزار اسکوائر فٹ پر مشتمل ہے۔ صحن کے

جنوب میں چند قدیم پختہ قبریں ہیں۔ جو غالباً ان معزز ہستیوں کی ہیں جنہیں شاہی امام کا مرتبہ حاصل تھا۔ اس کے شمال میں کنواں ہے جو کافی قدیم ہے۔

جمعہ دروازہ :

یہ فصیل بند شہر کا سب سے اہم اور عالیشان دروازہ ہے جو حوادثِ زمانہ سے اب تک محفوظ رہ گیا ہے۔ اس کو راجہ چاند سلطان شاہ (۱۷۰۹ء۔۱۷۳۵ء) نے اپنے عہد حکومت میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ کالے پتھروں کو خوبصورتی سے تراش کر بنایا گیا ہے۔ اس کی اونچائی تقریباً پچاس فٹ اور چوڑائی تقریباً چالیس فٹ ہے۔ اس پر معمولی نقش و نگار بھی بنے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماضی قریب میں اس میں کچھ اضافے ہوئے ہیں۔

جمعہ تالاب :

جمعہ دروازے کے سامنے کچھ فاصلے پر جمعہ تالاب ہے۔ اس کو بھی راجہ چاند سلطان شاہ نے تعمیر کروایا تھا۔ اس کے عہد میں پینے کا پانی اسی تالاب سے فراہم کیا جاتا تھا۔ بھوسلہ عہد تک اس کی سرحد میتا بلڈی کی ٹیکری سے ملی ہوئی تھی۔ بعد کے دور میں یہ شہر کے ترقیاتی منصوبوں کے تحت پٹتا چلا گیا۔ اب اس کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ اس کے اطراف کالے پتھروں کی مضبوط احاطہ بندی ہے۔

جمعہ مسجد :

جوہری پورہ سے متصل گاڑی خانہ میں واقع ہے۔ کالے پتھروں سے تعمیر کی گئی یہ مسجد اپنی زبانِ خاموش سے اپنی تاریخی حیثیت کا پتہ دیتی ہے۔ پتھروں

پر بنے ہوئے معمولی نقش و نگار اس کی قدامت اور خوبصورتی کو ظاہر کرتے ہیں۔
اس مسجد کو راجہ چاند سلطان نے نماز جمعہ اور عیدین کے لیے فصیل شہر کے باہر تعمیر کروایا تھا۔ بعد کو جب آبادی بڑھی تو اس میں فرض نمازیں ہونے لگیں۔ گونڈ عہد میں اس کی نگہداشت میاں وجیہہ الدین کے خاندان کے ذمے تھی۔ بعد کو اسی خاندان کے افراد اس کے متولی رہے۔ چنانچہ میاں وجیہہ الدین کے بعد ان کے داماد مولوی فرحت اللہ پھر ان کے بیٹے مولوی احمد اللہ اس کے متولی مقرر ہوئے۔ احمد اللہ کے انتقال کے بعد ۱۸۴۵ء میں میاں وجیہہ الدین کے چھوٹے داماد میر ببر علی اس مسجد کے متولی بنائے گئے پھر انھی کے اخلاف یکے بعد دیگرے متولی ہوتے رہے۔

مسجد پتھر پھوڑ:

یہ مسجد جلال پورہ میں ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ ان سنگ تراشوں اور معماروں کی یادگار ہے۔ جو شہر کی تعمیر و تشکیل کے وقت ناگپور آئے تھے۔ گویا اٹھارویں صدی عیسوی کی پہلی یا دوسری دہائی میں تعمیر ہوئی ہے۔ تقریباً ڈھائی ہزار اسکوائر فٹ کے احاطے میں بنی ہوئی یہ مسجد آج بھی اپنی اصل حالت میں قائم ہے۔ اس سے ملحق مشرقی سمت میں کالے پتھروں کا ایک دروازہ ہے جو پتھر پھوڑ دروازہ کہلاتا ہے۔ اس مسجد کا ہال اور صدر دروازہ قدیم طرزِ تعمیر کا نمونہ ہے۔

مسجد الف الدین:

یہ مسجد تلسی باغ میں ہے۔ اسے راجہ رگھوجی ثانی کے منصب دار الف الدین نے تعمیر کروایا تھا۔ اس کا سالِ تعمیر ۱۲۱۱ھ (۱۷۹۶ء) ہے۔ یہ بات اس کتبہ

سے معلوم ہوتی ہے جو مسجد کے صدر دروازہ پر لگا ہوا ہے۔ اس کی عبارت حسب ذیل ہے:

چہ خوش است در کلام آں قیوم
فادخلوا الباب ، سجداً مرقوم ۱۲۱۱ھ

یہ خوبصورت دروازہ کالے پتھروں کا بنا ہوا ہے اور آج تک اپنی اصلی حالت میں قائم ہے۔ اس پر معمولی نقش و نگار ہیں۔ اس وقت یہ مسجد جمعیت اہلحدیث تلسی باغ ناگپور کی نگرانی میں ہے۔ اسے انتظامیہ نے ۱۹۸۲ء (۱۴۰۲ھ) میں ازسرِ نو تعمیر کروایا ہے۔ یہاں دارالعلوم یوسفیہ کے نام سے ایک مدرسہ بھی جاری ہے۔

چھوٹی مسجد (بھالدارپورہ)

یہ مسجد ناطق چوک (جمعہ تالاب) کے پاس ہے۔ اس کی چھوٹی سی اصل عمارت اب تک قدیم ہے۔ اس کی تعمیر میں کالے پتھروں کا استعمال کیا گیا ہے۔ ناگپور کی آبادی کے ارتقائی عمل اور مسجد کے طرزِ تعمیر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ راجہ رگھوجی ثانی کے کسی منصبدار کی یادگار ہے۔ موجودہ عہد میں اس میں کچھ اضافے ہوئے ہیں۔ اس پوری مسجد کا احاطہ تقریباً تین ہزار اسکوائر فٹ پر مشتمل ہے۔

مسجد بدو خان کا منارہ:

اس مسجد کو بدو خان (بدو میاں) نے ۱۸۱۴ء کے آس پاس تعمیر کروایا تھا۔ یہ گاندھی باغ کے پاس چھوٹا قاضی پورہ میں واقع ہے۔ پہلے اس میں دو منارے تھے۔ مسجد کے متولی میر حسین علی کے دور میں اس کا ایک منارہ ٹوٹ کر گر گیا جس سے عمارت کو شدید نقصان پہنچا۔ لہٰذا انھوں نے جمادی الاول ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) میں عام مسلمانوں کے چندے سے اس کی دوبارہ مرمت کروائی۔

اب اس کا انتظام ایک انتظامیہ کمیٹی کے سپرد ہے۔ اس کمیٹی نے ۱۹۹۰ء میں قدیم عمارت کو منہدم کرواکے ایک خوبصورت نئی عمارت تعمیر کروائی ہے اور اس کے تاریخی منارہ کو اسی حالت میں رہنے دیا ہے۔ اس کا صحن کشادہ ہے جس میں چند پختہ قبریں ہیں۔ یہ بدھ خان اور ان کے ورثا کی بتائی جاتی ہیں۔ اصل مسجد کی عمارت ۳۸x۴۰ اسکوائر فٹ پر مشتمل ہے۔ اس کا ہال دیدہ زیب ہے۔

عیدگاہ :

مسلمان سب سے پہلے نماز عیدین جمعہ مسجد میں ادا کرتے تھے۔ آبادی بڑھی تو سیتا بلڈی کی ٹیکری پر ان کا اہتمام کیا جانے لگا۔ لیکن ۱۸۱۷ء کی سیتابلڈی کی لڑائی کے بعد جب ٹیکری پر انگریزوں کا تسلط ہوگیا تو راجہ رحمٰن شاہ (ف: ۱۸۵۲ء) نے ان کی ادائیگی کے لیے ایک نئی عیدگاہ بنوائی اور بھولا شاہ کو اس کا نگراں مقرر کیا۔ یہ موجودہ مومن پورہ میں واقع ہے۔

اس عیدگاہ کو راجہ محمد سلیمان شاہ (ف: ۱۸۸۰ء) نے ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء) میں از سر نو تعمیر کروایا۔ اس موقع پر شہرت ناگپوری نے قطعۂ تاریخ تعمیر کہا تھا۔ جو سنگ مرمر کے ایک خوبصورت کتبہ پر کندہ ہے۔ یہ کتبہ قلعہ کے محل میں محفوظ ہے۔ ہم نے اسے وہیں سے نقل کیا ہے۔

قطعۂ تاریخ تعمیر عیدگاہ

چوں راجہ سلیماں ذی جاہ — تعمیر نو زعیدگاہ را
خصوصیت بصحن آں مربع — بہم صورت آئینہ مصفا
خلق از ہمہ سو روز عیدین — کردند بہم پئے تماشا
کردم چو بدل خیال سالش — فوراً سروش شد ہویدا

شہرت زسرِ وقار و کعبہ

جبکہ راجہ سلیماں شاہ دلیر کی تعمیر عیدگاہ شریف
دیکھا از سرِ نشاط ہے سن کہا شہرت نے عیدگاہ لطیف
۱۲۸۰ ہجری۔

یہ عیدگاہ مربع نما ہے۔ اس کی لمبائی ۱۶۰ فٹ اور چوڑائی ۱۶۰ فٹ ہے۔ اس کے چاروں طرف پختہ دیواریں ہیں۔ اس کی مشرقی سمت میں داخلے کے لئے تین دروازے ہیں۔ آج بھی بھولا شاہ کے خاندان کے افراد اس عیدگاہ کے نگراں و متولی ہیں۔

مسجد جو ناجیل خانہ :

یہ مسجد بھی تاریخی حیثیت رکھتی ہے اور کسی منصبدار کی بنوائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ عہدِ بھوسلہ کے جیل خانے کے صدر دروازے کے سامنے ہے۔ اس کی تعمیر غالباً انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں ہوئی ہے۔ یہ تین سے ساڑھے تین ہزار اسکوائر فٹ کے احاطے پر مشتمل ہے۔ اسے ۱۹۷۰ء میں انتظامیہ نے منہدم کر دا کے جدید طرزِ تعمیر کے مطابق از سرِ نو بنوایا ہے۔ اس کے صحن میں کنواں اور دو مزاریں بھی ہیں۔ یہ پختہ مزاریں غالباً مسجد کے کسی متولی اور امام کی ہیں۔

بڑی مسجد (جامع مسجد) :

اس مسجد کو راجہ رگھوجی ثالث کے منصبدار محمد سعدالدین نے اپنی جاگیر جھجھر باغ (واقع موجودہ محمد علی روڈ مومن پورہ) میں ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء)

میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ بات اس کتبہ سے معلوم ہوتی ہے جو مسجد میں محفوظ ہے۔
اس کی عبارت حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا معین

چوں رفیع الشان سعد الدین والا مرتبت
خانِ با تمکین و عزّ و ابہت عالی مقام
کرد از توفیق رحمانی بنای مسجدی
بیستوں دارہ استوار و با شکوہ و احتشام
سالِ تاریخ تمام شغل ایں فرخ بنا
گفت پیرِ عقل با من "ثانی بیت الحرام" ۱۲۵۳ھ

بندہ عاصی محمد سعد الدین خان ولد قاضی محمد قطب الدین ساکن قصبہ جھجھر ضلع ہریانہ کہ از شاہجہاں آباد بفاصلہ بیست و پنج کروہ است در ۱۲۵۳ھ یکہزار دو صد و پنجاہ و سہ ہجری النبوی بترتیب ایں مسجد پرداخت

ضرورت کے پیشِ نظر بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں اس کی توسیع اور تعمیرِ ثانی کا منصوبہ بنا کر اس کو منہدم کیا گیا اور ۶ مارچ ۱۹۶۰ء کو حیدرآباد کے ایک نامور اور ماہر انجینئر نواب سید سلامت علی خان کے تیار کردہ نقشہ کے مطابق جدید تعمیر کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اب اس کی اصل عمارت سطحِ زمین سے ۹ فٹ کی بلندی پر ہے۔ اس کا طول و عرض ۱۰۴ × ۶۰ فٹ اور بلندی ۳۰ فٹ ہے۔ اس بے ستون عمارت کے درمیان ۳۰ فٹ کا قطر کا گنبد ہے۔ اس دو سو ٹن وزنی گنبد کی بلندی چھت سے ۳۶ فٹ ہے۔ اس کے چاروں گوشوں میں چار خوشنما ہشت پہل منارے ہیں۔ سامنے کے میناروں کی

بلندی سطح زمین سے ۱۳۲ × ۱۱ فٹ ہے جبکہ پیچھے کے میناروں کی بلندی ۸۶ × ۸ فٹ ہے۔

اصل عمارت سے ملحق ۱۲۲ × ۶۲ فٹ کا کشادہ صحن ہے جس میں سنگِ مرمر کا خوبصورت فرش ہے۔ اس کے دونوں جانب وضو خانہ ہے۔ صحن کی مشرقی سمت میں ۴۵ فٹ کا سنگِ مرمر کا خوبصورت بلند دروازہ ہے اور اس دروازے کے دونوں جانب دو منزلہ جالی نما عمارت ہے۔ اس مکمل مسجد کے سامنے تقریباً بارہ ہزار اسکوائر فٹ کا میدان ہے جس میں انواع و اقسام کے پودے قرینے سے لگے ہوئے ہیں۔ یہ مسجد مغل آرٹ، قطب شاہی آرٹ اور گونڈوانہ آرٹ کا خوبصورت امتزاج ہے۔

چھوٹی مسجد (جامع مسجد اہلحدیث):

یہ مسجد بھی جھجھر باغ کے علاقہ میں واقع ہے۔ اس کو محمد سعد الدین کے چھوٹے بھائی اور راجہ رگھوجی ثالث کے منصبدار غلام علی نے ۱۸۳۹ء کے آس پاس تعمیر کروایا تھا۔ الحاقِ ناگپور کے بعد جب جھجھر باغ تاراج ہوا تو یہاں مشرقی یوپی کے مسلمان آباد ہونا شروع ہوئے۔ انھی نو وارد ین میں ایک میاجی عبد الواحد بھی تھے۔ موصوف نے ہی بعد کو اس مسجد کی نگہداشت کی۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے حاجی عبد الجبار (وفات: ۱۹۵۶ء) اور پھر ان کے بیٹے حاجی عبد الرفیق پہلوان (وفات: ۱۹۶۶ء) اس کے متولی مقرر ہوئے۔ اس وقت حاجی عبد الرفیق پہلوان کے بیٹے حاجی عبد الوکیل پرویز اس کے متولی ہیں۔

حاجی عبد الوکیل پرویز نے اس مسجد کی تعمیرِ ثانی کا منصوبہ بنایا اور بمبئی کے ایک مشہور آرچیٹکٹ ایم اے مومن کے تیار کردہ نقشہ کے مطابق ۱۹۸۲ء میں

اس کا سنگِ بنیاد رکھا۔ یہ دو منزلہ خوبصورت مسجد ایک سال کے عرصے میں کویت کے ایک رئیس الشیخ الحاج محمد مبارک العمیری کے مالی تعاون سے ادارہ آصلاح المساجد بمبئی کی نگرانی میں بن کر تیار ہوئی۔ اس ادارے کے مدیر مولانا مختار احمد ندوی ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر جدید میں تقریباً دس لاکھ روپے صرف ہوئے ہیں۔ اس کی تزئین کاری میں محمد شفیق مظہر نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

اصل مسجد کی عمارت کا ہال ۴۳ × ۲۰ فٹ ہے جبکہ اس سے ملحق برآمدا معہ حجرہ ۴۳ × ۱۲ فٹ ہے۔ برآمدے کے سامنے ۳۸ × ۳۴ فٹ کا صحن ہے جس میں ۱۸ × ۱۲ فٹ کا وضو خانہ اور ۱۳ × ۱۳ فٹ کا طہارت خانہ ہے۔ اس کے اوپر کی منزل پر نماز ہال اور برآمدے کے علاوہ ۱۳ × ۱۶ فٹ کا ایک اور ہال ہے جس میں مبارک العمیری لائبریری ہے۔ لائبریری سے ملحق خواتین کے لیے ۳۲ × ۲۲ فٹ کا ایک علاحدہ نماز ہال ہے۔ اس مسجد میں دو خوبصورت منارے ہیں جس کی اونچائی سطح زمین سے ۵۴ فٹ ہے جبکہ اس کے خوشنما صدر دروازے پر ایک خوبصورت گنبد ہے۔ یہ مسجد جدید طرزِ تعمیر کا شاہکار ہے۔

نقار خانہ :

گونڈ راجہ جاٹبا کا تعمیر کردہ قلعہ تقریباً ۸ سے ۱۹ ایکڑ زمین پر محتوی ہے۔ جب بخت بلند شاہ نے اٹھارویں صدی عیسوی کے آغاز میں ناگپور شہر کی بنیاد ڈال کر اسے ۱۷۰۶ء میں اپنی حکومت کا صدر مقام بنایا تو اس نے اسی قلعہ کو اپنی رہائش گاہ بنایا اور اس میں چند عمارتیں بنوائیں۔ بعد کو اس کے وارثین نے بھی مزید تعمیرات کیں جن میں ایک نقار خانہ بھی ہے۔

نقار خانہ دراصل موجودہ قلعہ کا صدر دروازہ ہے۔ یہ جمعہ دروازہ کے طرز پر

پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ اس کی اونچائی تقریباً پچاس فٹ اور چوڑائی تقریباً ۲۵ فٹ ہے۔ اس کو راجہ سلیمان شاہ نے ۱۸۷۴ء میں تعمیر کروایا تھا۔ اس کی تعمیر کا کام سلیمان شاہ کے منتظم حسن خان کی نگرانی میں ہوا اور تیس چار مہینے کی مدت میں سات ہزار دو سو پونڈز روپے کے اخراجات سے بن کر تیار ہوا۔ یہ تفصیلات سنگ مرمر کے اس کتبہ سے فراہم ہوتی ہیں جو دروازے کے سیدھی طرف نصب ہے۔ اس کی عبارت حسبِ ذیل ہے :

قطعہ تاریخِ آغازِ تعمیر

راجہ سلیماں شاہ بہادر نکو خصال — تعریف میں ہے جس کی زباں ناطقہ کی لال
عالی ہمم، کریم شیم، مفخرِ زماں — کیواں وقار، مہر جلال و قمر جمال
نقار خانہ ان دنوں بنوائے باشکوہ — دروازہ جس کا جیوں درِ خیبر ہے بے مثال
پیوندِ وصل سنگ نہیں ہے کہیں عیاں — سانچے میں گویا صانعِ قدرت دیا ہے ڈھال
فکرِ سلیم ورائے حسن خاں کے تھی حسن — جو ایسا کام پختہ ہوا اور بلا زوال
اخلاق اور حلم و مروت میں لاجواب — دیکھے ہے جس کے دور ہو دردِ و غم و ملال
دانائی اور داد و دہش میں ہے نامور — فکرِ رسا فہیم و فراست ہے اس کی دال
جب بن چکا ہے وہ درِ دولت تو ناگہاں — تاریخ اس کی لکھنے کا دل میں ہوا خیال

شہرت ہے بیگماں زہے لفظ آشکار
دروازہ عالی شان ہے بازینتِ کمال — ۱۲۹۱ھ

تاریخ ختم تعمیر

تعمیر چو یافت بابِ دولت — از رائے سلیم خان بِدوالا
اسم است حسن بوجہِ احسن — خانِ آخراں بجوائیِ اد لی
شہرت زہے حسن ختم سالش

دروازہ چہ خوب شانِ اعلیٰ

۱۲۹۲ ہجری ۱۲۸۴ فصلی

بابت خرچہ سات ہزار دو سو پندرہ روپیہ

مدت تعمیر چار مہینے

سنہ ۱۸۷۴ عیسوی

ہمیں اس کتبہ کی نقل اور اس کی تفصیلات سپرنٹینڈنگ ایپی گرافسٹ فار عربک اینڈ پرشین انسکرپشن، آرکیولاجیکل سروے آف انڈیا، ناگپور کے آفس سے موصول ہوئی ہے۔ یہ انڈین ایپی گرافی کی سالانہ رپورٹ برائے ۹۰-۱۹۸۹ میں درج ہے۔ اس کا نمبر ۴۷ ہے۔

چند شجرے

گونڈ اور بھوسلہ عہد میں ناگپور میں جو مسلم خاندان آباد تھے ان میں سے بیشتر خاندان تو نیست و نابود ہو گئے اور کچھ گردشِ وقت سے مجبور ہو کر دوسرے علاقوں میں جا بسے۔

ان قدیم خاندانوں میں بعض خاندان ایسے تھے جنہوں نے مشکل حالات میں بھی ناگپور چھوڑنا گوارا نہیں کیا اور وہ یہیں مقیم رہے۔ یہاں ہم ایسے ہی چند خاندانوں کے شجرے نقل کر رہے ہیں اور ایک شجرہ سید محمد زین الدین (فوجدار رگھوجی ثالث) کا بھی قلمبند کر رہے ہیں جو تاریخی اعتبار سے ایک اہم خاندان ہے اور جس کے اخلاف اس وقت علیگڑھ میں سکونت پذیر ہیں۔

شاہی خاندان کا شجرہ :

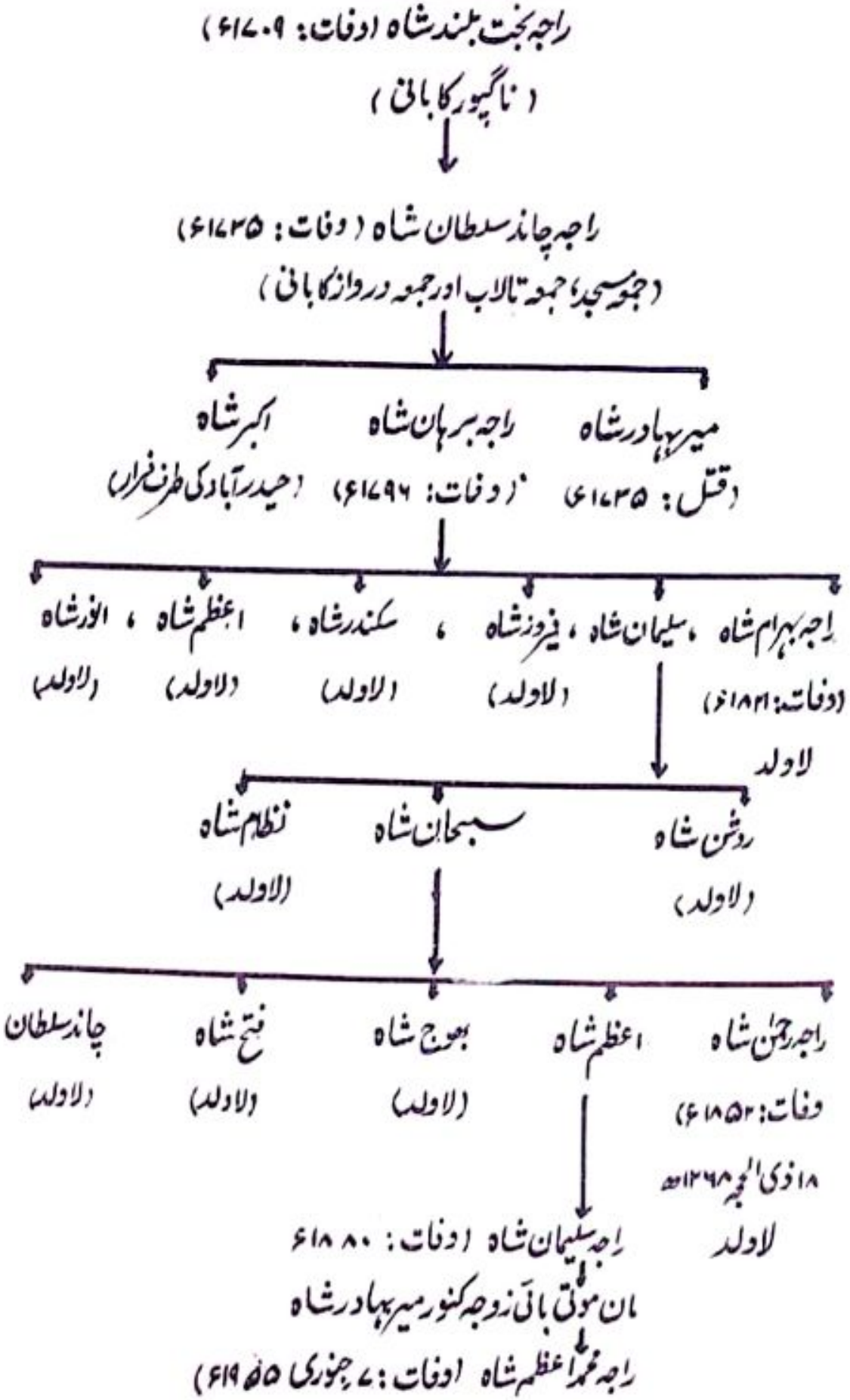

شیخ عبدالشکور کے خاندان کا شجرہ :

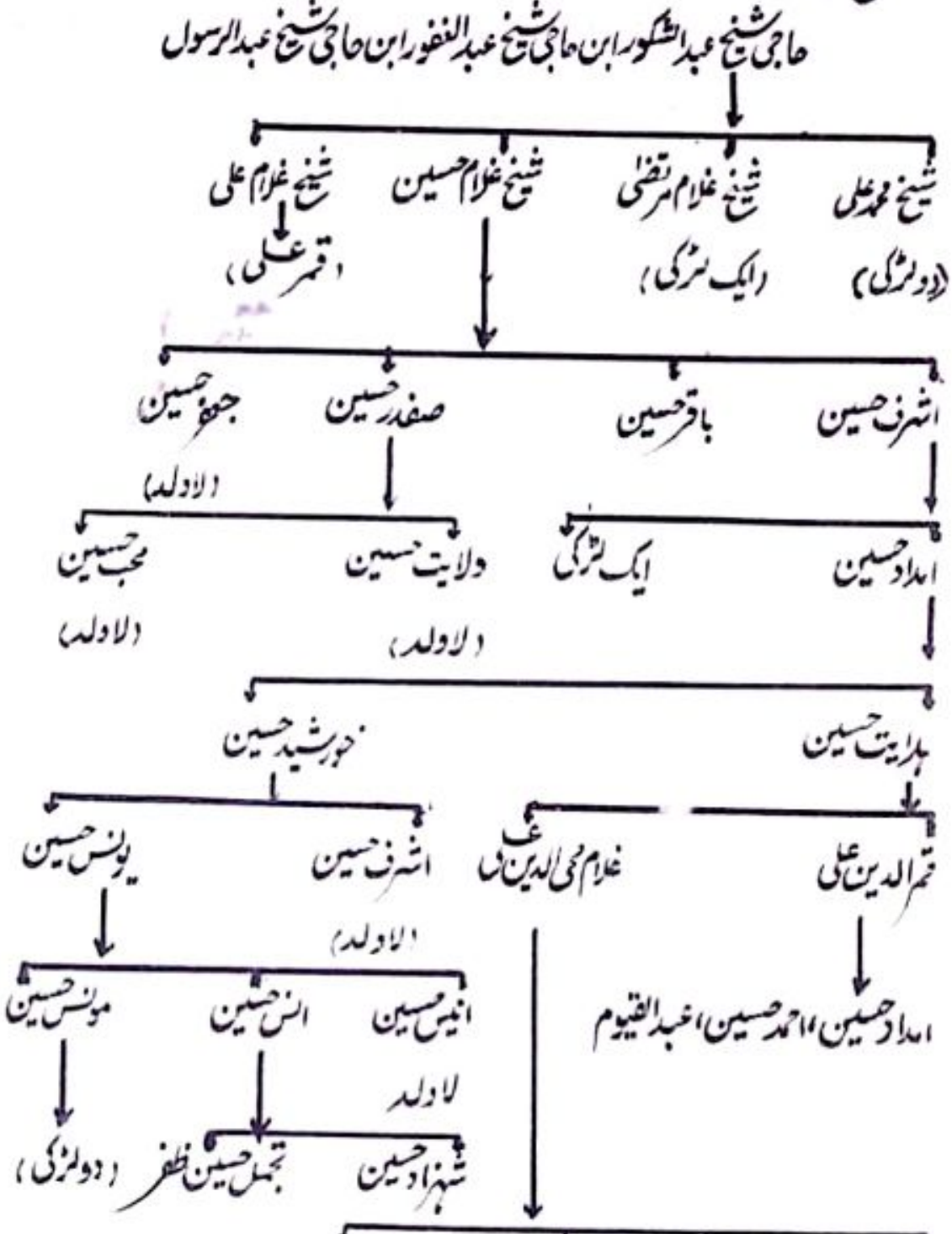

نوٹ : امداد حسین ابن اشرف حسین کی دو بیٹیاں بھی تھیں ۔ بدرالنساء اور بیگم صاحبہ ۔ بدرالنساء محمد سعدالدین کے بیٹے اکبر علی خان سے اور بیگم صاحبہ غلام دستگیر شرق سے بیاہی تھی ۔

غلام محی الدین علی کے بیٹوں نے تقسیم وطن کے بعد پاکستان میں سکونت اختیار کی ۔ ان میں نواب صدیق علی (خان) کو زبردست مقبولیت ملی ۔ یونس حسین کے بیٹے مونس حسین انجمن حامی اسلام ناگپور کے سکریٹری تھے ۔ ان کے دو حقیقی بھتیجے شہزاد حسین اور تجمل حسین ظفر بھوپال (ناگپور) میں رہتے ہیں ۔

محمد سعد الدین کے خاندان کا شجرہ:

قاضی محمد قطب الدین

(جھجھر ہریانہ کے قاضی تھے)

↓

محمد سعد الدین
(بانی بڑی مسجد مومن پورہ)
فوجدار ناگپور، صوبیدار رائے پور

محمد صلاح الدین
(وفات: ۱۸۴۳ء)
کوتوالِ شہر

غلام علی
(بانی چھوٹی مسجد مومن پورہ)
کوتوالِ شہر

↓

اکبر علی خان عرف پاپا میاں
۱۸۵۷ء میں جوانی میں انگریزوں نے پھانسی دی
ان کا مزار سیتا بلڈی کی ٹیکری پر ہے

↓

اصغر علی خان

↓

رشید الدین علی خان
(وفات: ۱۹۶۶ء)

حفیظ الدین علی خان
(لاولد)

بشیر الدین علی خان
(لاولد)

↓

غازی وحید الدین علی خان (صدر مدرس ناگپور کارپوریشن اردو اسکول) سعید الدین خان (بھلائی)، حمید الدین علی خان (بھلائی)، شہید الدین علی خان (بھلائی)، واحد الدین علی خان (بھلائی)، شاہد الدین علی خان (بھلائی)، مجید الدین علی خان (بھلائی)

(غازی وحید الدین علی خان ناگپور کے ایک مثالی مدرس ہیں۔ وہ نہرو ایوارڈ یافتہ ہیں۔ ان کے والد رشید الدین علی خان ایک اچھے حکیم تھے۔)

عادل ناگپوری کے خاندان کا شجرہ :

سید لطیف علی

↓

سید محمد علی

(وفات : ۱۸۴۹ء)

- **سید حیدر حسین** (وفات : ۱۸۵۰ء) لاولد۔
- **سید عبد العلی عادل** (وفات : ۱۸۹۴ء)
  - کاظم علی
    - خورشید علی
      - محمود علی (ایوت محل)
      - ظفر علی (پاکستان)
      - کاظم علی (پاکستان)
    - منظور علی (لاولد)
  - باقر علی
    - سید عبد العلی (یہ خاندان بھنڈارہ میں آباد ہے)
  - وراثت علی (کم سنی میں انتقال ہوا)
  - حسن علی
    - شمس الحق
    - لطیف علی
    - محمد علی
  - عائشہ بیگم (زوجہ شیخ عبداللہ)
    - حسام الدین (وفات : ۱۹۶۵ء)
      - عظیم الدین ، انیس الدین [یہ دونوں عرب کے بارے میں رہتے ہیں۔]
- **سید محمد حسین علی** [ان کے اخلاف ناگپور اور حیدرآباد میں آج بھی موجود ہیں]

(حسن علی نے رائپور (ایم پی) میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان کا خاندان وہیں آباد ہے)

قاضی عبدالرزاق کے خاندان کا شجرہ :

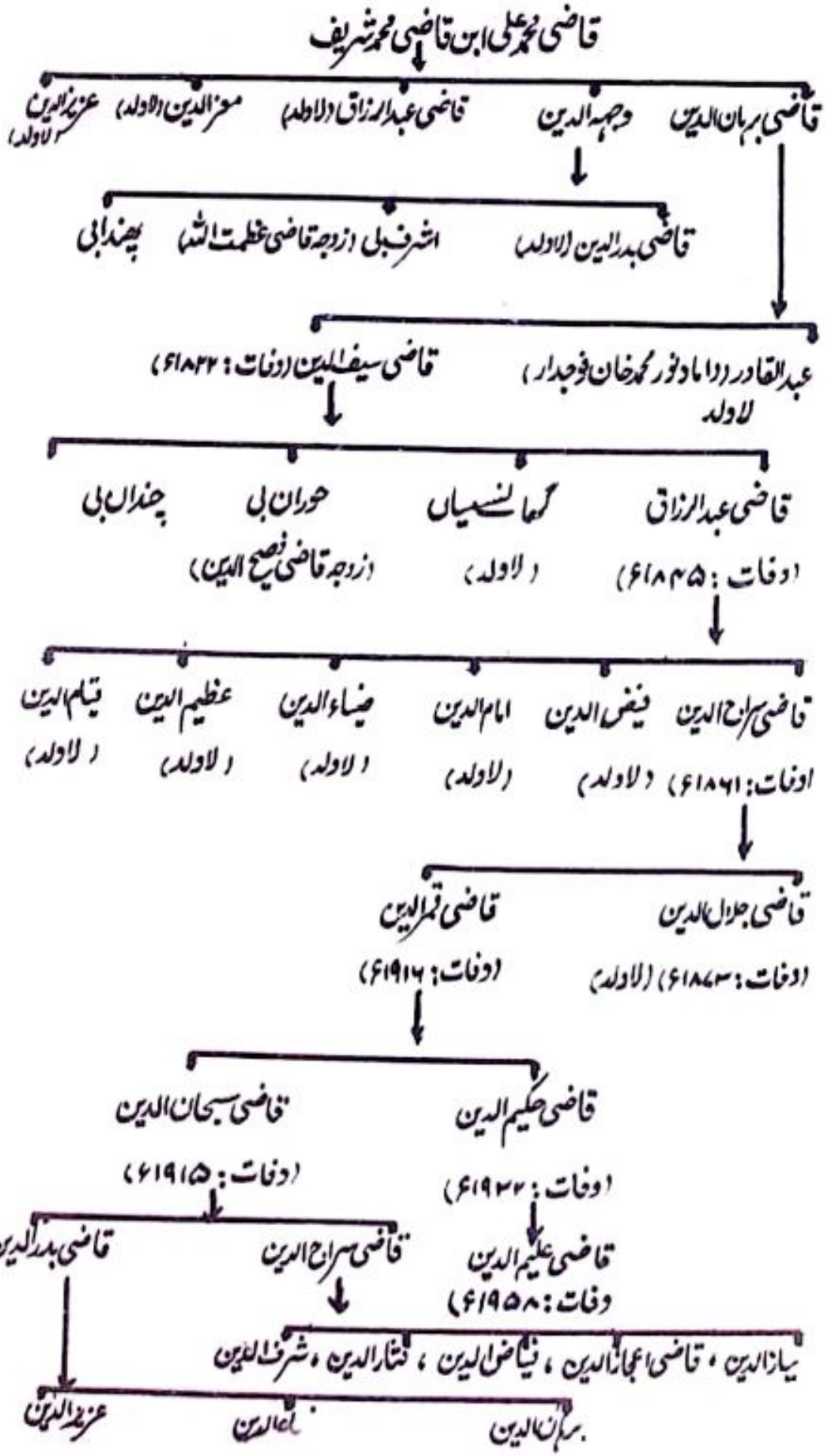

قاضی فصیح الدین کے خاندان کا شجرہ :

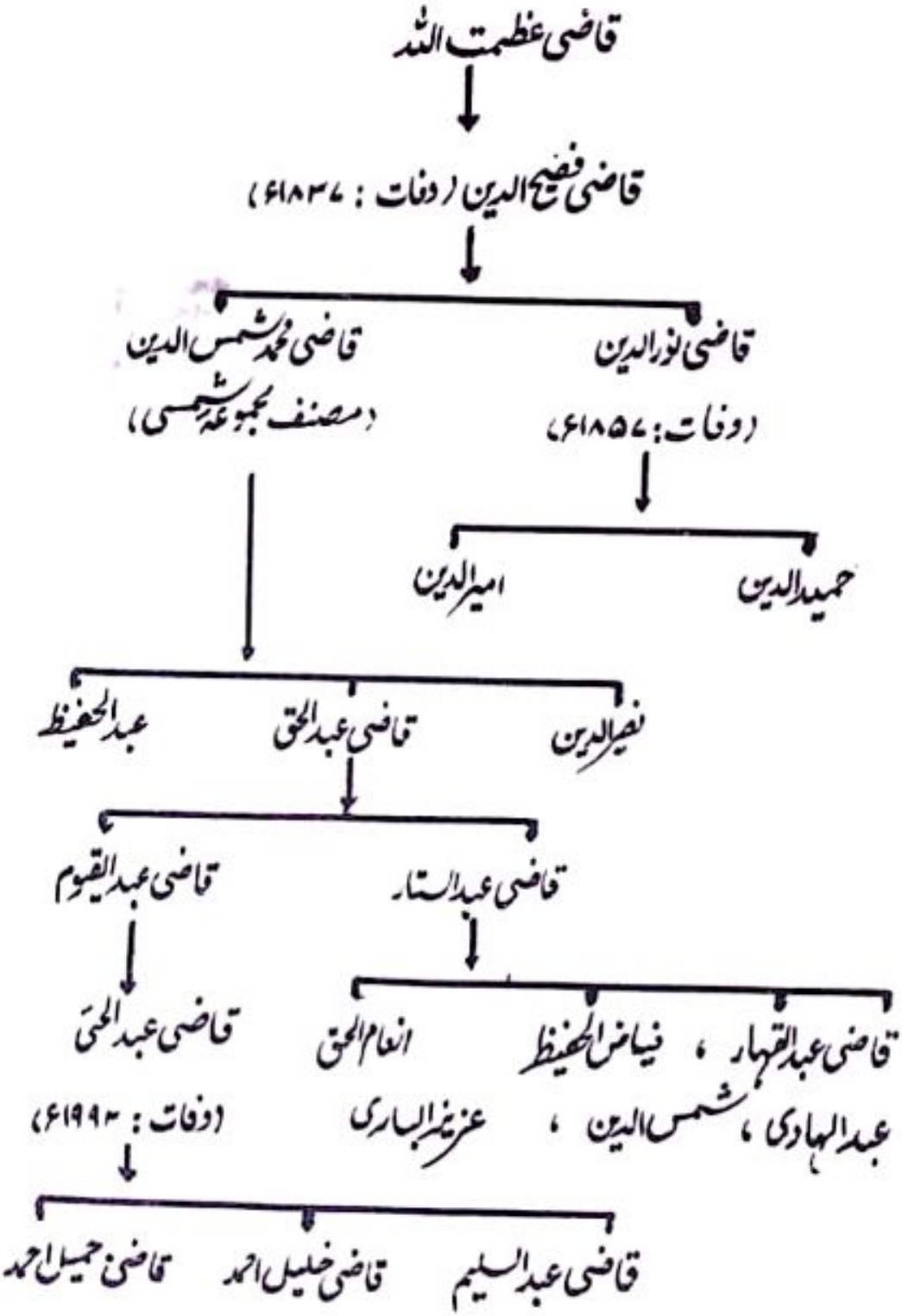

یہ خاندان آج بھی بدوخان کے منارے کے پاس آباد ہے -

سید محمد زین الدین کے خاندان کا شجرہ :

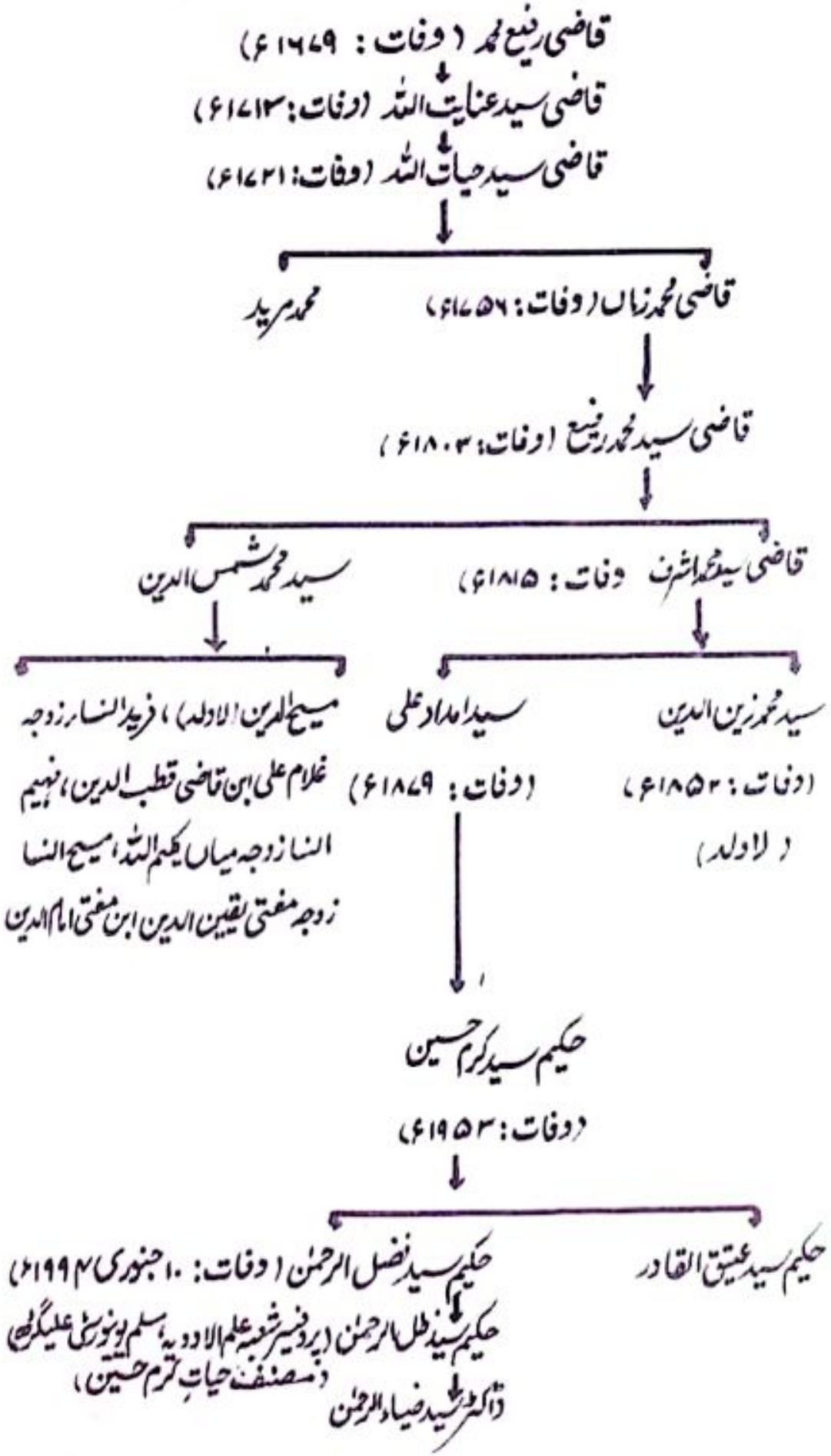

میر عزیز کے خاندان کا شجرہ :

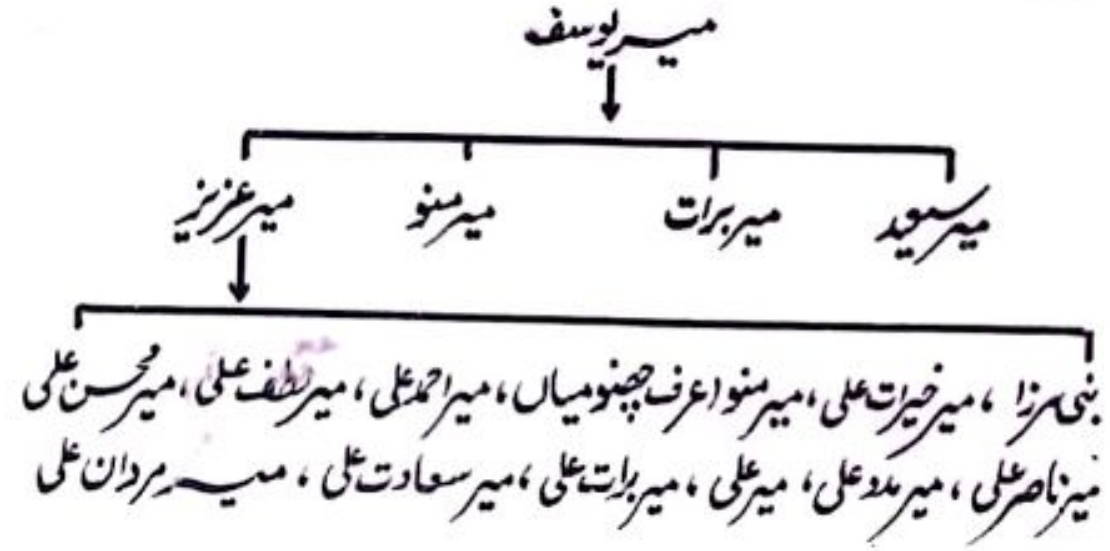

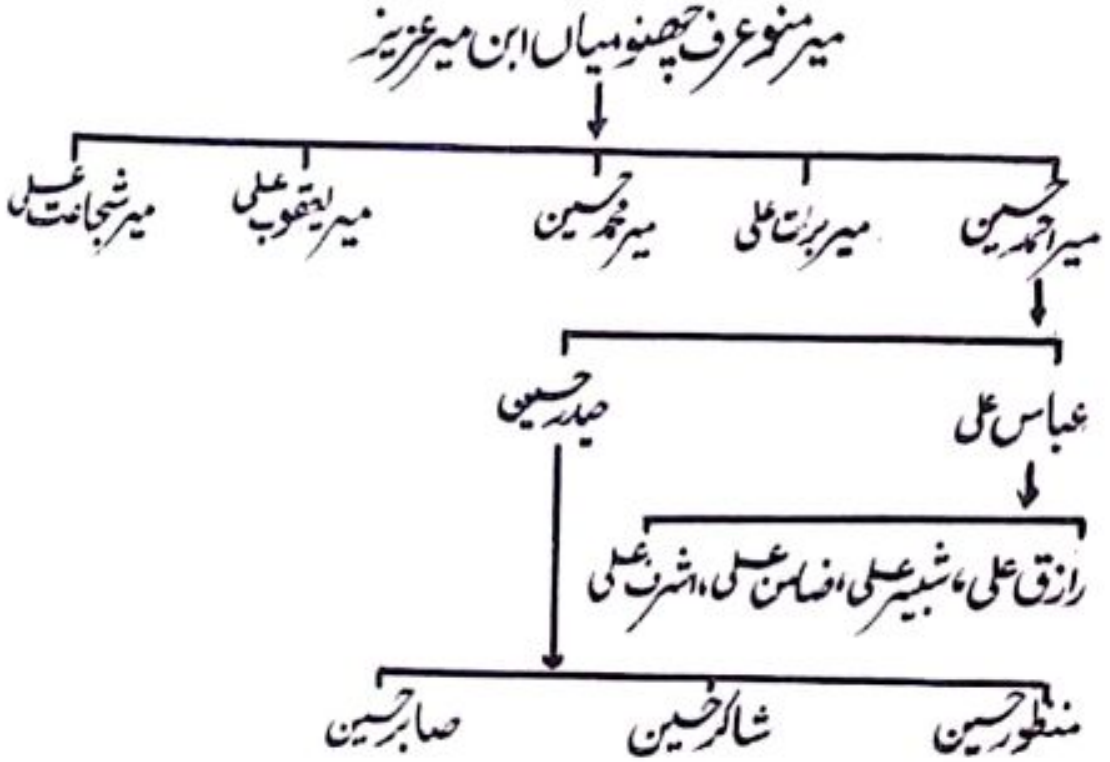

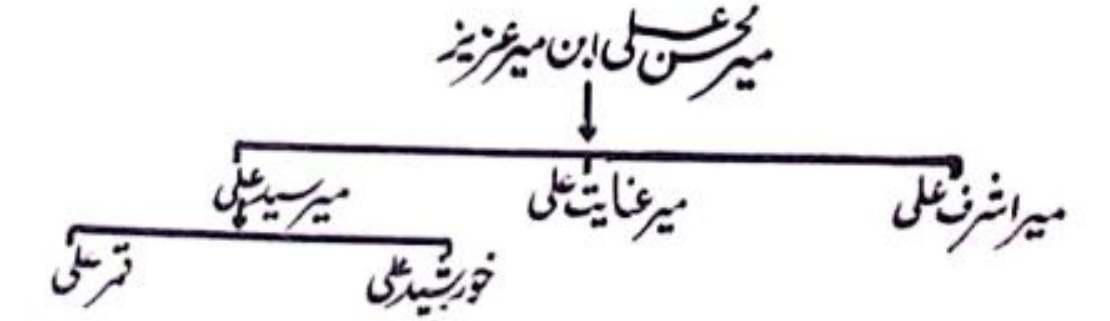

میر عزیز کے خاندان کا شجرہ :

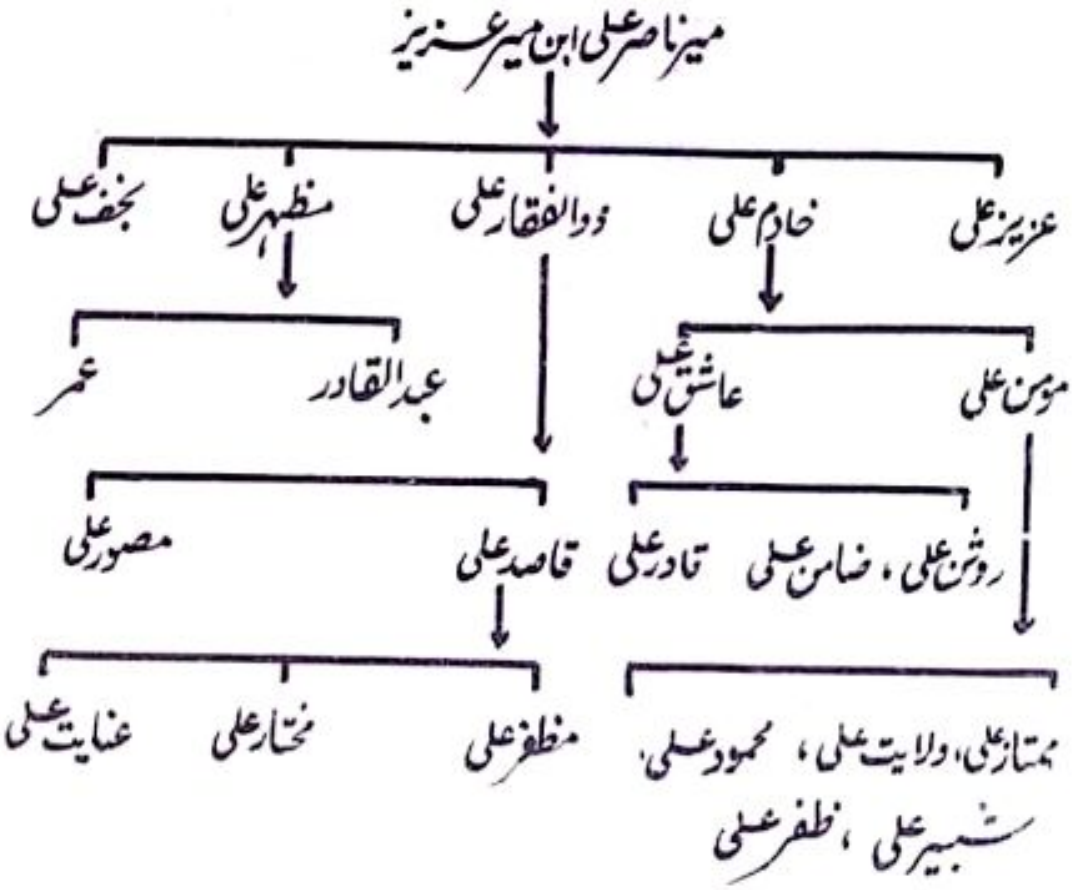

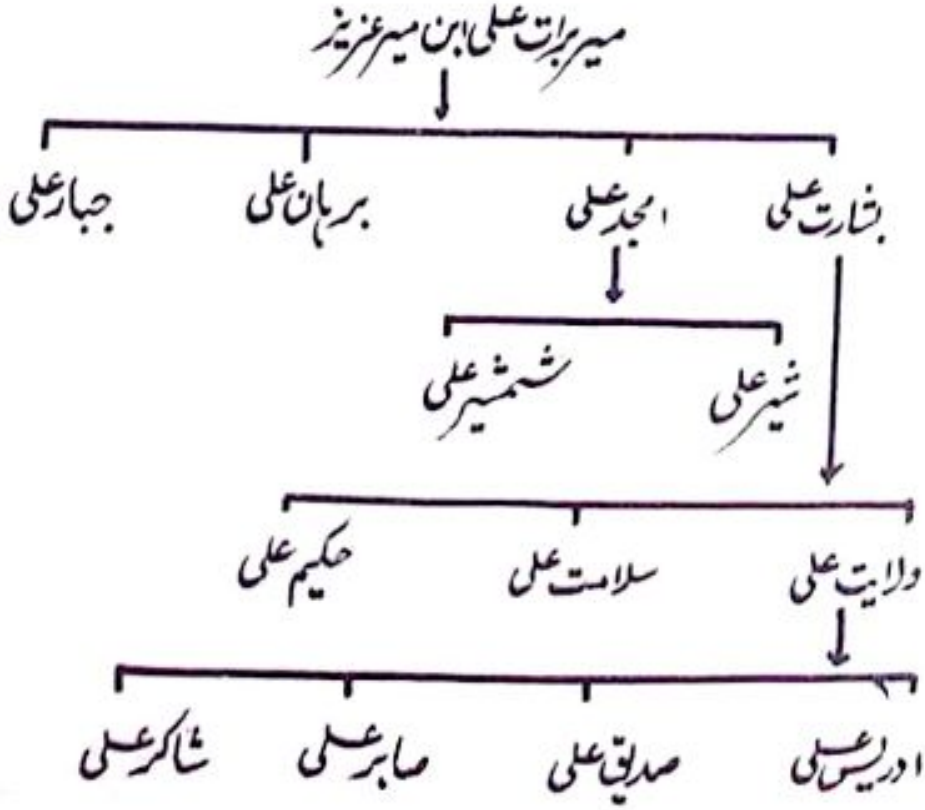

میر عزیز کے خاندان کا شجرہ :

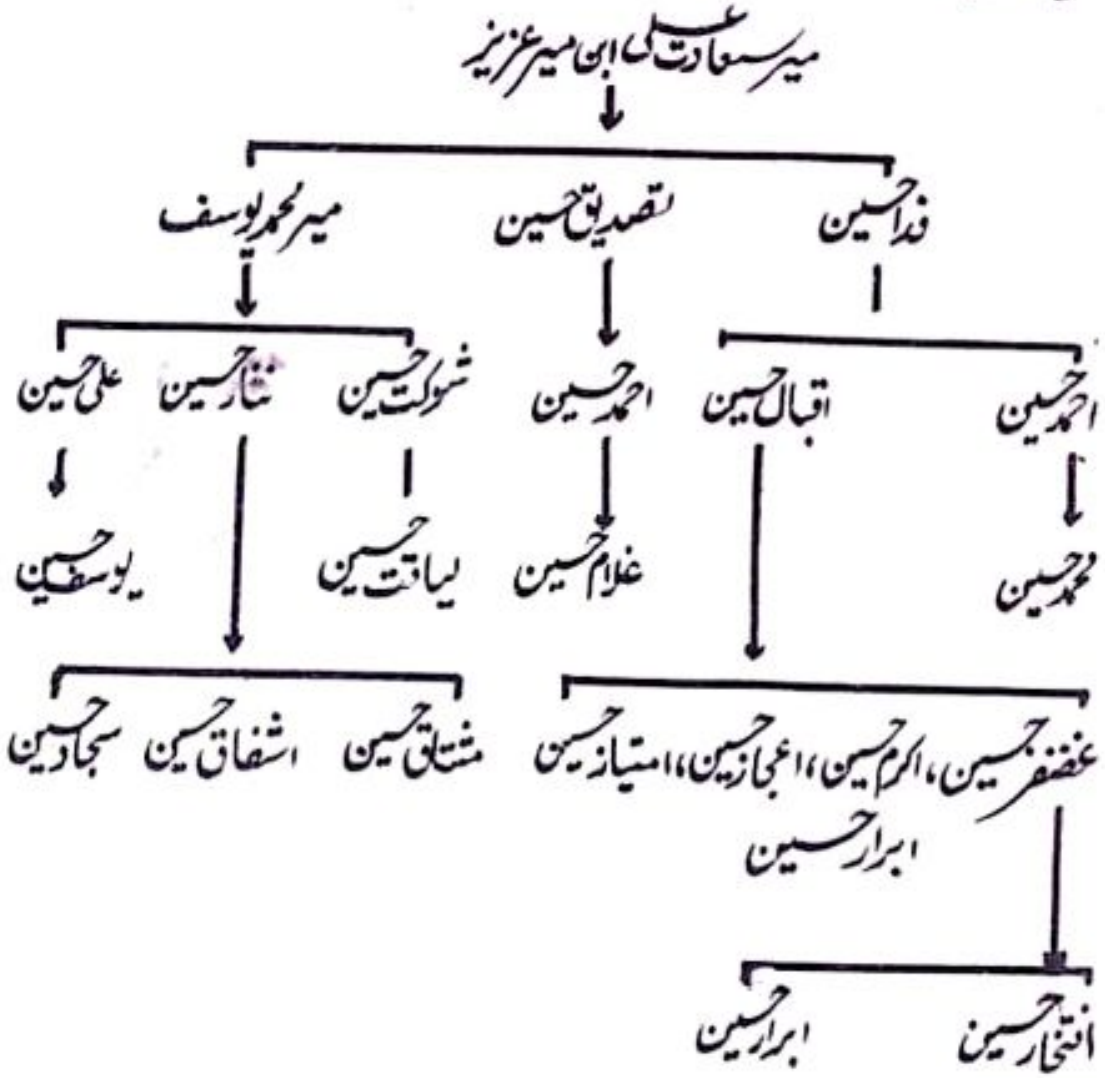

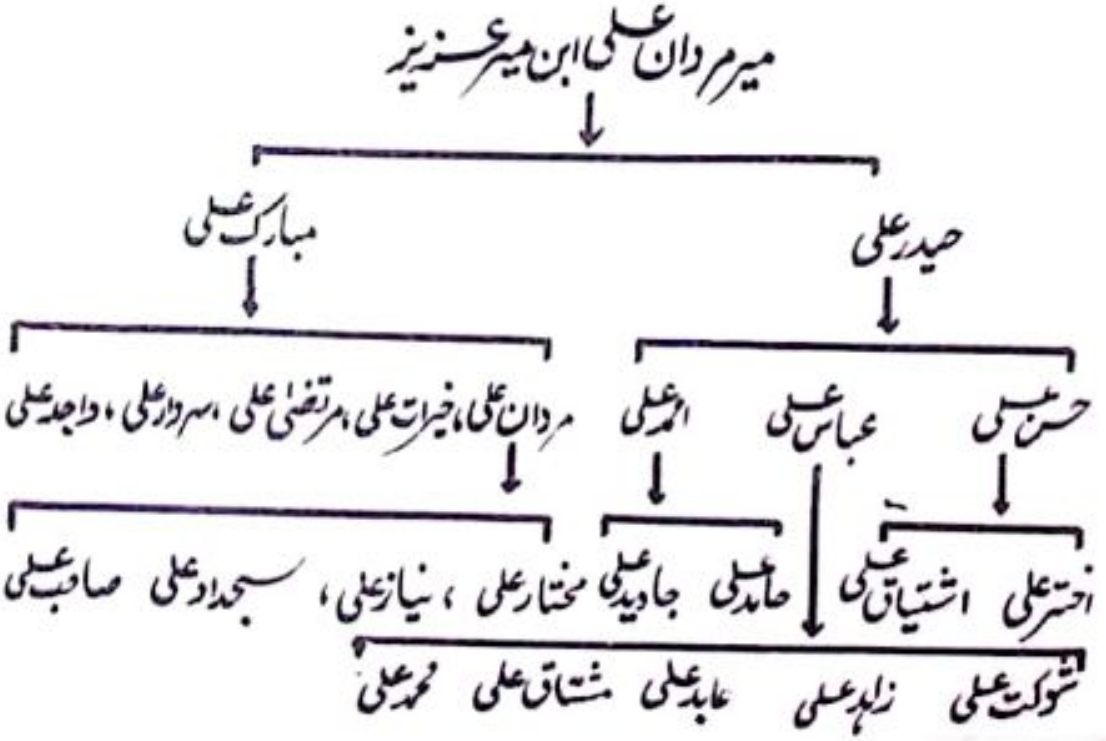

کتابیات

اردو، فارسی کتب :

۱۔ اردو مخطوطات جلد اول از نصیر الدین ہاشمی مطبوعہ مطبع ابر ہمیہ حیدر آباد، ۱۹۶۱ء

۲۔ انتخاب یادگار از امیر مینائی مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادیمی لکھنؤ ۱۹۸۲ء

۳۔ آئین اکبری جلد اول (حصہ دوم)، مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (اردو ترجمہ)

۴۔ آئین اکبری جلد دوم از ابو الفضل مطبوعہ منشی نول کشور لکھنؤ (فارسی)

۵۔ بادشاہ نامہ جلد اول (حصہ دوم) از عبد الحمید لاہوری، مطبوعہ ایشاٹک سوسائٹی بنگال، ۱۸۶۷ء (فارسی)

۶۔ تاج الاقبال از شاہجہان بیگم مطبوعہ مطبع نظامی کانپور، ۱۸۷۳ء

۷۔ تاریخ ناگپور از ڈاکٹر شرف الدین ساحل، مطبوعہ شمی فائن آرٹ ناگپور، ۱۹۸۳ء

۸۔ تذکرہ کاملانِ رامپور از حافظ احمد علی خان شوق مطبوعہ خدا بخش لائبریری پٹنہ، ۱۹۸۶ء

۹۔ تذکرہ رحمانی از محمد مہتاب خان، مطبوعہ ۱۹۵۸ء

۱۰۔ حیات کرم حسین از حکیم سید ظل الرحمٰن، مطبوعہ لیتھو کلر پرنٹرس علیگڑھ، ۱۹۸۳ء

۱۱۔ مآثر عالمگیری از محمد مستعد خان ساقی (مترجم فدا علی طالب)، مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، ۱۹۳۳ء

۱۲۔ مختصر حالات میر عزیز از اقبال حسین، مطبوعہ الفاروق پریس کامٹی، ۱۹۵۴ء
۱۳۔ منتخب اللباب (حصہ سوم) از خافی خان (مترجم محمود احمد فاروقی)، مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۶۳ء
۱۴۔ ناگپور میں اردو کا ارتقائی سفر از ڈاکٹر شرف الدین ساحل مطبوعہ ملٹی پرنٹ، بمبئی، ۱۹۹۳ء

انگریزی مراٹھی کتب :

۱۔ چھندواڑہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر بائی آر وی رسل مطبوعہ ٹائمز پریس بمبئی، ۱۹۰۷ء
۲۔ ناگپور ڈسٹرکٹ گزیٹیر مطبوعہ گورنمنٹ پریس ناگپور، ۱۹۶۶ء
۳۔ ناگپور ریذیڈنسی ریکارڈ بائی ایچ این سنہا مطبوعہ گورنمنٹ پریس ناگپور ۱۹۵۰ء (جلد اول)
۴۔ ناگپور ریذیڈنسی ریکارڈ بائی ایچ این سنہا مطبوعہ گورنمنٹ پریس ناگپور، ۱۹۵۴ء (جلد چہارم)
۵۔ ناگپور ریذیڈنسی ریکارڈ بائی ایچ این سنہا مطبوعہ گورنمنٹ پریس ناگپور، ۱۹۵۷ء (جلد پنجم)
۶۔ لارڈ ڈلہوزیز ایڈمنسٹریشن بائی ایم اے رحیم، ۱۹۶۳ء
۷۔ سنٹرل میوزیم ناگپور (سینٹنری والیوم) مطبوعہ گورنمنٹ پریس ناگپور، ۱۹۶۴ء
۸۔ بھوسلہ رگھوجی سکنڈ آف ناگپور بائی ڈاکٹر آر کے دوبے مطبوعہ لیٹرس پریس پونا، ۱۹۷۹ء
۹۔ ناگپور کر بھوسلیانچا اتہاس لیکھک یادو مادھو کالے مطبوعہ ودربھ سنشودھن منڈل ناگپور، ۱۹۷۹ء
۱۰۔ ناگپور نگر سنستھا شتابدی گرنتھ لیکھک ڈاکٹر لکشمی کانت جوشی، مطبوعہ

ناگپور یونیورسٹی کارپوریشن پریس ناگپور، ۱۹۶۴ء

مخطوطات :

		مملوکہ
جیش الرضامین	عادل ناگپوری	شرف الدین ساحل
خزائن الاشعار	عادل ناگپوری	شرف الدین ساحل
دیوان تاریخات	عادل ناگپوری	شرف الدین ساحل
دیوان قصائد	عادل ناگپوری	شرف الدین ساحل
ملہمات فیض آیات	غمگین ناگپوری	شرف الدین ساحل
روزنامچہ بہادر علی	بہادر علی	شرف الدین ساحل
مجموعہ شمسی	قاضی محمد شمس الدین	قاضی خلیل احمد، نیشنل الکٹرانک شاپ نزد بدھو خان کا منارہ گاندھی باغ ناگپور

رسائل :

ماہنامہ سب رس حیدرآباد، اگست ۱۹۷۲ء

ماہنامہ ہمایوں لاہور، جنوری ۱۹۴۲ء

انگریزی روزنامہ :

ناگپور ٹائمز ناگپور	۴ جون ۱۹۷۶ء
ناگپور ٹائمز ناگپور	۲۰ اکتوبر ۱۹۷۶ء
ناگپور ٹائمز ناگپور	۲۲ اکتوبر ۱۹۷۶ء
ناگپور ٹائمز ناگپور	۴ جون ۱۹۷۸ء
ناگپور ٹائمز ناگپور	۴ فروری ۱۹۷۹ء